آئینۂ خیال

دوسرا مجموعۂ کلام

محمود شریف محمودؔ

اَن گنت چہروں پہ چہرے دیکھتا ہے آئینہ
محوِ حیرت آج کل خود ہو گیا ہے آئینہ

مجموعہ کانام	آئینہ خیال
شاعر	محمود شریف محمود
کمپیوٹر کمپوزنگ	SAN کمپیوٹر سنٹر، چنچل گوڑہ، حیدر آباد
صفحات	112
ماہ وسنہ اشاعت	اکٹوبر 2000ء
طباعت	میاکس آفسیٹ پریس
جزوی تعاون	اردو اکیڈیمی، آندھرا پردیش
قیمت	80 روپے

ملنے کا پتہ

محمود شریف محمود

مکان نمبر 16-4-660/A

چنچل گوڑہ،

حیدر آباد 500 024

فون نمبر 4516053

انتساب

والدہ مرحومہ فاطمہ النساء بیگم صاحبہ

والدِ مرحوم حکیم محمد ابراہیم شریف صاحب

اور

زندگی کی ساتھی رابعہ بانو مرحومہ جس کا ساتھ دست اجل نے اکیس سال قبل چھین لیا

کے نام

کچھ اپنے بارے میں

میں نے اپنا تعارف اپنے پہلے مجموعے "پرواز تخیل" میں پیش کیا ہے جسکا رجسٹریشن نمبر ۱۸۲۸ مورخہ ۱۴/۱۱/۱۹۹۵ء ہے۔ اس مجموعہ میں بھی قارئین کی نذر ہے۔

نام : محمد محمود شریف قادری چشتی جس نے ۵/ جولائی ۱۹۲۴ء کو اس دنیائے رنگ و بو میں پہلی سانس لی۔

ولدیت : حکیم محمد ابراہیم شریف صاحب قادری مرحوم

تعلیم : مادر علمی جامعہ عثمانیہ نے بی۔اے کی ڈگری ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے ہاتھوں عطا کی۔ زبان اردو میں امتیازی کامیابی حاصل ہوئی جو ڈاکٹر زور، پروفیسر سروری اور جناب سید محمد جیسے اساتذہ سے فیض یابی کا نتیجہ ہے۔

شاعری کی ابتداء :

بیت بازی کا شوق ۸ سال کی عمر سے ہی شروع ہوا جس کے لئے میں نے بہت سے اشعار یاد کر لئے اور بیت بازی کے مقابلوں میں شریک ہونے لگا۔ بیت بازی کے نقطۂ نظر سے مشکل حروف سے شروع ہونے اور مشکل حروف پر ختم ہونے والے اشعار بھی موزوں کر لئے ہیں۔ یہی میری شاعر کا نقطۂ آغاز تھا۔ ساتویں جماعت کامیاب کرنے تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

ادبی سفر کا آغاز:

دارالعلوم ہائی اسکول میں جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مدرسہ کے اوقات کے بعد اسکول کی تقریری تربیت کی کلاسوں میں شریک ہوتا رہا۔ جناب اقبال علی

زیدی (مرحوم) کے ہدایات کے مطابق مسلسل محنت اور مشق سے اسکول کی تقریری ٹیم میں تین سال تک شامل رہا اور بین المدارس تقریری مقابلوں میں حصہ لیتا رہا اور کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ مقرر کے لئے عام معلومات اور ادبی زبان پر مکمل قابو لازمی ہے اسلئے میں نے اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں ادبی اور عام معلومات کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اقبالؔ' حالیؔ' اکبرؔ وغیرہ کے کلام کا بھی بغور مطالعہ کر کے تقریر کے دوران استعمال ہونے والے اشعار یاد کر لئے کیونکہ تقریر کے دوران موزوں اشعار کا پیش کرنا تقریر کی اہمیت اور لذت کو دوبالا کر دیتا ہے

۱۹۴۰ء میں جب دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ دارالعلوم کی انجمن اتحاد و بزم ادب کا ذریعہ الکشن میں نائب صدر منتخب ہوا جب کہ عبدالستار سبحانی (مرحوم) بہ لحاظ عہدہ صدر تھے۔ ان کی رہبری میں مدرسہ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کو جاری رکھنا میری ذمہ داری تھی۔ تقریری مقابلوں' ادبی ڈراموں اور مشاعروں کا انعقاد اور انتظام کرتے کرتے طرحی مشاعروں کی غزلیں کہہ کر اپنے اساتذہ جناب عبدالحق (مرحوم)' جناب عبدالمجید مرحوم سے اصلاح لیا کرتا اور مشاعروں میں پیش کرتا اس طرح غزل میری زندگی میں داخل ہوگئی اور بفضل خدا اب بھی میرے ساتھ ہے۔ جب کہ میری "جانِ غزل" اکیس سال پہلے داغ مفارقت دے گئی۔

۴۳-۱۹۴۲ء کے سال تعلیمی میں محلّہ کاچی گوڑہ میں بزم ادب کاچی گوڑہ کا قیام عمل میں آیا جس کے تاسیسی ارکان میں سید علی برترؔ' افتخار اعجازؔ' کلیم قادری (اس وقت میرا تخلص یہی تھا) نظام الدین انجمؔ' ضیاء الدین ذاکرؔ' مصباح الدین شکیلؔ (جو پاکستان کے مشہور عالم دین ہیں) شامل تھے اس کے بعد بہاؤالدین' شہباز پرویزؔ' کلیم قریشی اور دوسرے بہت سے احباب شامل ہوگئے۔

فنِ شعر و سخن کی تربیت :

بزم ادب کاچی گوڑہ میں فنِ تقریر' فنِ تحریر کی تربیت کے علاوہ فنِ شعر و سخن کی تربیت بھی ہوتی تھی وہ اس طرح کہ پہلے سے مقررہ دنوں میں ہم اس غرض سے ایک محفل

منعقد کرتے تھے۔ جس میں ہم لوگ اپنا اپنا کلام سناتے تھے اور ایک دوسرے کے کلام پر تبصرہ کرتے تھے ان محفلوں میں اکثر و بیشتر پروفیسر عبدالقیوم خاں باقیؔ ، نصیر ہاشمیؔ صاحب اور پروفیسر غلام دستگیر رشید مدعو کئے جاتے تھے یہ حضرات ہمارا کلام اور تبصرے غور سے سماعت فرماکر سب کی غلطیاں بتلاتے اور تصحیح فرماتے تھے یہ اجتماعی تربیت روایتی تربیت سے زیادہ ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔

ادبی خدمات :

میں نے حسب ذیل اداروں اور انجمنوں کے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ کر علم و ادب کی انتظامی خدمات انجام دی ہیں اور اب بھی بفضل خدا یہ سلسلہ جاری ہے۔

۱۔ نائب صدر انجمن اتحاد طلبا و بزم ادب مدرسہ دارالعلوم ۱۹۴۰ء

۲۔ بزم ادب کاچی گوڑہ کا خازن ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک ۱۹۴۸ء میں صدر

ریاست کی تقسیم کے بعد میرا تبادلہ ممبئ سکریٹریٹ کو ہو گیا اور میری ادبی خدمات میں وقفہ آگیا۔ ممبئ سکریٹریٹ سے بہ حیثیت سینیر مددگار وظیفہ حاصل کر کے واپس ہونے کے بعد ۱۹۸۶ء سے پھر ادبی خدمات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

۱۔ بزم اکبر کا معتمد ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۹ء تک

۲۔ مرکز ادب کا شریک معتمد ۱۹۸۷ء تا ۱۹۹۲ء

۳۔ ادارۂ ادب اسلامی کا ۱۹۸۸ء سے خازن

۴۔ بزم قادریہ کا معتمد ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک

۵۔ بزم حکمت سخن کا نائب صدر ۱۹۹۳ء سے ہوں اور اس ادارے کی خدمت جاری ہے

کلام کی نشریات:

آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد سے سال میں دو یا تین مرتبہ کلام نشر ہوتا ہے۔ ریڈیو جدہ اردو سکشن سے میری نظم بہ عنوان جہیز ۱۹۹۳ء میں نشر کی گئی۔

دور درشن پر کلام:

دور درشن پر میرا موضوعاتی کلام ۱۹۹۱ء سے پیش ہو رہا ہے۔ ۱۹۹۸ ماہ ستمبر میں آزادی کی کاوشیں اور نعمتیں کے عنوان سے پیش ہوا۔

اخباروں اور رسالوں میں کلام کی اشاعت:

میرا کلام ۱۹۸۶ء سے تاحال بفضل خدا (۱۹۲) مرتبہ شائع ہوا۔

حیدر آباد کے سیاست 'منصف 'رہنما' قومی زبان (اردو اکیڈیمی) 'شاداب 'فنکار' شگوفہ 'آمور کے بساط فکر 'دہلی کے دعوت۔ پیش رفت 'رامپور کے ذکریٰ 'حجاب 'الحسنات' شکاگو (امریکہ) کے پاکستان لنک میں شائع ہوا اور انٹرنٹ اڈیشن پر بھی پیش ہوا

۱۹۸۷ء سے پہلے کا میرا تمام کلام خالص روایتی تغزل پر مبنی تھا جس کو میں نے عاق کر دیا اور شائع نہیں کیا اس کے بعد کا میرا کلام شاعری میں مقصدیت کے نظریئے کا حامل ہے میری غزلوں اور موضوعاتی کلام میں سیاسی 'سماجی' معاشی اور معاشرتی مسائل پر اشعار ہیں۔ ساتھ ہی میں نے روایت سے بھی منہ نہیں موڑا ہے۔ میری کئی غزلوں میں روایتی تغزل کے اشعار بھی ہیں۔ ادب برائے زندگی کے لحاظ سے بھی چونکہ عشق و محبت زندگی کا ایک اہم پہلو ہے 'اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

آخر میں 'میں خدائے بزرگ و برتر 'رحمٰن و رحیم کا نہایت ادب و عجز سے شکر ادا کرتا ہوں کیونکہ میری شاعری چاہے وہ غزل ہو کہ نظم یا نعت "خدا کی دین ہے آقاؐ کی ہے نگاہِ کرم"

گر خدا مہرباں نہیں ہوتا   ہو نہ پاتا میں شاعر محمودؔ

نوٹ: میں جناب مضطر مجاز کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میرا اور میرے کلام کا مختصر تعارف تحریر فرمایا۔ جناب مسرور عابدی صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے تبصرہ تحریر فرمایا۔

مختصر تعارف

از: مضطر مجاز

محمود شریف کی نظر اپنے اطراف پر بہت گہری ہے۔ وہ سیاسی ' معاشی اور معاشرتی زندگی کی ناہمواریوں کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز گڑ بڑائی ہوئی ہے۔ لیڈروں کا جو حال ہے سو ہے' حیا پامال ہے سو ہے' پردے کا چلن اٹھ چکا ہے' ہر طرف بے حیائی کے مناظر ہیں۔ تھوڑی بہت جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی ٹی۔ وی نے پوری کر دی ہے ان تمام باتوں سے ان کا دل کُڑھتا ہے اور اپنی ناقدانہ رائے منظوم کر دیتے ہیں۔ جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے وہ بہت پختہ اور پرورده ہے۔ وزن' بحر' عروض قافیہ وغیرہ پر ان کو قابو حاصل ہے۔ ان کے کلام میں خود ان کی آواز کی گونج ہے کسی اور کی نہیں ہے اپنے ہی انداز سے بات کہی ہے۔ اُن کے کلام سے یہ انداز ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی طبع سلیم ہی کو اپنا راہبر بنایا ہے۔ فن اور عروض کی ان کو ودیعت ہے اور مشق و مزاولت نے اس میں پختگی پیدا کر دی ہے۔ زبان و بیان کا جھول آپ کو بہت کم ملے گا۔ فی زمانہ یہ بہت بڑی بات ہے۔ سادگی اور خلوص ہی ان کی شاعری کی جان ہے اور سادگی تو وہ بلا ہے جس سے غالب کے دل میں مر جانے کی حسرت جاگ اٹھی تھی۔

بات عصری زندگی کی ناہمواریوں کی نکلی تھی۔ ایسا فن کار جس کی نظر ان بے ڈھنگیوں پر جاتی ہے تو وہ ان کو اپنے طنز و طعن و تشنیع کا بھی نشانہ بناتا ہے۔ یہ محمود صاحب کی شاعری کا دوسرا رنگ ہے انہوں نے جگہ جگہ طنز و ظرافت کے نشتر بھی چلائے ہیں مگر اس میں بھی انہوں نے اپنی آواز کا رنگ قائم رکھا ہے۔ اکبر یا کسی اور شاعر کی تقلید نہیں کی ہے۔ طرز اظہار کی روشنی میں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر حالؔی اسکول سے متاثر ہیں کہ اصلاح معاشرہ ہی اس کا Burdon of Song ہے یہ نغمہ بہت زیادہ سُریلا نہ سہی مگر اس میں دل کو چُھو لینے کی صلاحیت ضرور ہے۔

جناب محمود شریف محمودؔ آئینۂ شعر میں

اس حقیقت سے ہر بشر آگاہ ہے کہ مفاہیم کی آئینہ داری کے بہت سے قرینے ہیں۔ ان میں سے ایک بہترین قرینہ شاعری ہے جس طرح خوشبو اپنی تمام تر مہکار کے باوجود اپنے اظہار کے لیے ہوا کی محتاج ہوا کرتی ہے اسی طرح انسان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت خارجی وسیلۂ اظہار کی محتاج رہا کرتی ہے۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کہ مفاہیم کی آئینہ داری کے بہت سے قرینے ہیں اور ان میں سے ایک بہترین قرینہ شاعری ہے۔ اگر ادائی کا قرینہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ سوچیئے جب پھول جوان ہو جائیں، اور ان کے بدن سے خوشبو پھوٹنے لگے لیکن ہوائیں گہری نیند سوئی رہیں یہاں تک کہ پھولوں کی جوانی زرد پڑ جائے اور خوشبوئیں مر جائیں پھر بھی ہوائیں بیدار نہوں تو کس کا قصور؟ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شاعر کو تلاش رزق میں نکلے ہوئے پرندے کی طرح تلاش مضمون میں سرگرداں رہنا چاہیے تاکہ شاعری میں نئے نئے مضامین اور نئے نئے فکری منطقوں کی دریافت ہو سکے

جس طرح شیشہ گر کے سانس کی ذرا سی کمی بیشی سے بھی شیشے میں بال آسکتا ہے اسی طرح تخلیقی عمل میں ذرا سی کوتاہی سے لفظوں کی جمالیاتی چہرے مسخ ہو جاتے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ جناب محمود شریف محمودؔ کی شاعری میں لوازماتِ شعری اور روایات کی مٹی کی سوندھی خوشبو کے ساتھ ساتھ، کم کم سہی نئے رجحانات کی رعنائیاں بھی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کھا کے پتھر بھی جواباً جو ثمر دیتا ہے
ہم اسی صبر کے پیکر کو شجر کہتے ہیں

محمود شعریت نہ ہو اشعار میں اگر
موزوں سہی کلام مگر شاعری نہیں

اب تمیزِ خار و گُل محمودؔ مشکل ہے یہاں
گُل کے پیراہن میں کانٹے بھی نظر آتے ہیں پھول

جو خوشبوئے وفا معدوم سی معلوم ہوتی ہے
چمن کی ہر کلی اب کاغذی معلوم ہوتی ہے

جسے موجِ بلا سے ڈٹ کر ٹکرانا نہیں آتا
تو اُس کشتی کو ساحل تک پہنچ جانا نہیں آتا

ہونٹوں پہ تبسم لیے ہم بول رہے ہیں
چہرے سے مگر رنج و الم بول رہے ہیں

جب جب بھی ادھر دیکھا بجلی سی گرادی ہے
اُس شوخ نے اِس دل کو رہ رہ کے سزا دی ہے

میری رائے میں اگر پہاڑوں سے گرتے ہوئے آبشار کی گنگناہٹوں، نینی تال کی سرسبز وادیوں میں جھومتی ہوئی ہواؤں کی مستیوں اور پھولوں کی خوشبوؤں کو اگر الفاظ کے بدن دیدیئے جائیں تو محمود شریف محمودؔ کی شاعری سے مختلف نہ ہوں گے۔

جب محمود شریف محمودؔ ایسے مضطرب قلب شاعر ہیں، جن کے روم روم سے شوخیوں کے سرچشمے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کی شاعری کے فکری منطقوں میں "شبابِ نو" کی خوشبو گھُل کر گنگناتی ہوئی ندیا کے گداز جسم سے اٹھکھیلیاں کرتی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ ندیا اپنی روانی برقرار رکھنے کے لئے اونچ نیچ کے کئی راستے طے کرتی ہے۔ اِسی طرح محمود صاحب کی شاعری فکر و فنّی نشیب و فراز سے گزرتی دکھائی دیتی ہے۔ محمود شریف محمودؔ عمر رسیدہ بھی ہیں اور شعر رسیدہ بھی۔ اور بس۔

سید مسرور عابدی

فہرست

فہرست

دو شعر

ہم گنہ گاروں پہ رحمت ہے تری
کیا کہیں کیسی عنایت ہے تیری

جس کو چاہے ' اُسے دے حد سے سوا
میرے مولا یہ سخاوت ہے تری

دو شعر

دل کی لگی یہ آپ کو کر دے گی کیا سے کیا
حُسنِ ازل سے دل کو لگا کر تو دیکھیے

اُس کو خموشیوں کی زبان سے پکار کر
دل کی صدا سے حال سنا کر تو دیکھیے

ایک شعر

دائم بھی تیری ذات قائم بھی تیری ذات
تیرے سوا کسی کو نہیں ہے یہاں ثبات

رحمٰن ہے ، رحیم ہے رب العلیٰ ہے تُو
سو آسروں کے آسرے کا آسرا ہے تُو

تُو ہے وَلَد کسی کا نہ والد کسی کا تو
یکتا ہے تو صمد ہے تو واحد خدا ہے تُو

توبہ کریں جو ہم تو کرے ہر گُنہ معاف
ہم سر بسر خطا ہیں مُجسم عطا ہے تو

پیدا کرے ہے تُو تو سمندر☆ کو آگ میں
جگنو کو سرد آنچ سے چمکا رہا ہے تُو

جلوہ ترا کہاں نہیں کس کس جگہ نہیں
شہ رگ کے تُو قریب ہے پھر بھی چھپا ہے تُو

تیری نگاہِ لطف و کرم ہو گئی تو پھر
مرتے ہوئے مریض کو دیتا شفا ہے تُو

محمودِ خوش نصیب محمدؐ کا ہے غلام
جن کی زبانِ پاک سے خود بولتا ہے تُو

☆وہ کیڑا جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔

تمثیل کیا دے کوئی بھلا بے مثال کی
ہستی ہے جن سے بڑھ کے .فقط ذوالجلال کی

تصویر دیکھنی ہے نبیؐ کے جمال کی
پہلے خدا سے مانگ نظر تو کمال کی

رویا میں ان کی دید کی اک شرط یہ بھی ہے
آنکھیں ہوں باوضو ' تو طہارت خیال کی

نقشِ قدم کو ان کے جو ہم چھوڑ کر چلے
بنیاد ہے وہیں سے ہمارے زوال کی

اب بھی جو ان کے حکم کی تعمیل ہم کریں
صورت ہی بدل دیں گے زمانے کے حال کی

ذرّہ بھی ان کے نقشِ کفِ پا کا ہو کہیں
کیا قدر اس کے سامنے گوہر کی لعل کی

محمودؔ جو بھی مانگوں میں دیتا ہے میرا رب
آقاؐ .کا وسیلہ ہے ضرورت سوال کا

ایک شعر

کوئی ہمسر تو کجا سایہ نہیں سرکارؐ کا ان کے ثانی کا تخیل شرک ہے افکار کا

ایک شعر

وہ جس کو فخر ہے حسّاں کی پیروی کا میاں خدائی اور رسالت میں امتیاز کرے

فکر و فن کی وادیوں میں جب بھی کھل جاتے ہیں پھول
زندگی کے ہر کسی گوشے کو مہکاتے ہیں پھول

سُوئے منزل جب جُنونِ شوق ہوتا ہے رواں
اُس کے رستے پر فرشتے بڑھ کے بکھراتے ہیں پھول

شادیوں میں بن کے سہرے سر پہ چڑھ جاتے پھول
ہوں کہیں بھی آخرش مٹی میں مل جاتے ہیں پھول

پُر فتن کانٹوں کی اکثر جیت ہوتی ہے یہاں
سادگی سے اپنی لیکن مات کھا جاتے ہیں پھول

روز و شب ٹی وی پہ یہ عُریاں مناظر دیکھ کر
وقت سے پہلے ہی اب غنچے ہوئے جاتے ہیں پھول

اب تمیزِ خار و گُلؔ محمودؔ مشکل ہے یہاں
گُلؔ کے پیراہن میں کانٹے بھی نظر آتے ہیں پھول

اَن گِنت چہروں پہ چہرے دیکھتا ہے آئینہ
محوِ حیرت آج کل خود ہوگیا ہے آئینہ

آئینے کے سامنے کھلتے ہیں سارے گل بدن
حُسن کو ہر زاویے سے دیکھتا ہے آئینہ

خوشنما، جاذب نظر، رنگیں لباسوں کے تلے
کس قدر دھبّے چھُپے ہیں جانتا ہے آئینہ

آئینہ ٹوٹا تو پھر سو آئینے چمکے وہیں
آئینے کا ریزہ ریزہ ہوگیا ہے آئینہ

ایک ہی رُخ سے نہ دیکھیں ہم کسی کو بھی کبھی
ہر کسی کی زندگی کا دو رُخا ہے آئینہ

کیوں نہیں چہرے پہ اب رنگِ حیا، رنگ وفا
دورِ نو کے ہر حسیں سے پوچھتا ہے آئینہ

اور بڑھ جاتی ہے اس میں مہر و الفت کی چمک
جب کبھی، محمودؔ دل کا ٹوٹتا ہے آئینہ

گرفتارِ محبت جب بھی ہوتا ہے دوانا دل
تڑپتا ہے مچلتا ہے سسکتا ہے بچارا دل

جُنونِ شوق جب اپنی حدوں کو پار کرتا ہے
نہیں رہتا خرد کی دسترس میں پھر کسی کا دل

نگاہِ شوق سے اُن کی ' نظر جب اپنی ٹکرائی
ہمارا دل ہوا اُن کا ' اور اُن کا دل ہمارا دل

فرشتہ لے کے جاتا ہے اُسی دم روح کو اُس کی
دھڑکنا چھوڑ دیتا ہے جو سینے میں کسی کا دل

جسے خُوشیاں ہی خُوشیاں ہوں کسی کے غم کو کیا جانے
مزاجِ غم سمجھتا ہے ' فقط اک غم شناسا دل

مسلسل ٹوٹنے سے بھی دھڑکنے سے نہیں رُکتا
خدائے پاک نے محمودؔ یہ کیسا بنایا دل

دورِ نو میں خُوبیوں کے ایک پیکر کی تلاش
ہوگئی ہے جیسے صحرا میں سمندر کی تلاش

ٹاٹ میں پیوند مخمل کا نہیں سجتا میاں
کیجئے اپنے لئے ' اپنے برابر کی تلاش

آپ کی صورت ہے اچھی آئینہ بولے اگر
شوق سے کرنا میاں اک حور پیکر کی تلاش

بلڈنگیں تعمیر کرواتے ہیں یاں سب اہل زر
ہے غریب اور مفلسوں کو سر پہ چھپّر کی تلاش

فرقہ واری، صوبہ واری ذہنیت جس میں نہ ہو
ہے سیاسی رہگذر کو ایسے رہبر کی تلاش

زندگی محمود ہوتی ہے زمانے میں وہی
جس کو رہتی ہے سدا بہتر سے بہتر کی تلاش

لگاکر اپنے چہرہ پر حسین و دلربا چہرہ
چھپا سکتا نہیں کوئی عمل کا ملگجا چہرہ

سیاست داں ہمارے دیس کے کیسے ہیں کیا بولیں
بدلتے زندگی میں ہیں ہزاروں مرتبہ چہرہ

ہوئی ہے علم و فن کی وہ ترقی دو ہی صدیوں میں
زمانے کا زمانے اب بدل کر رہ گیا چہرہ

بدن پر ہے خزاں لیکن بہاریں علم و دانش پر
بڑھاپے میں بنا ہے تجربوں کا آئینہ چہرہ

حسینانِ جہاں کا دورِ نو میں حسن کیا کہنے
سہارے سے ہے میک اپ کے ہر اک کا خوشنما چہرہ

زباں خاموش ہے اُنکی لبوں پر چپ کے تالے ہیں
بیان کرتا ہے دل کا راز اُن کا بولتا چہرہ

کہاں محمود اب چہرہ بہارِ حسن سادہ کا
بنا میک اپ جو ہوتا تھا چمکتے چاند کا چہرہ

مہرِ عالم تاب کی تابش کو سہہ جاتا ہے چاند
ساری دنیا کو رُخِ روشن سے چمکتا ہے چاند
ماہِ نو کی شب میں آ کر دو گھڑی کے واسطے
کج ادائی اپنی دکھلاکر چلا جاتا ہے چاند
چودھویں کی شب کو جب بھرپور ہوتا ہے شباب
ماہِ کامل کا نظارہ سب کو دکھلاتا ہے چاند
شب ہو پندرہ کی تو سمجھو آ گیا اِس پر زوال
پھر اَماوس کے اندھیرے میں تو کھو جاتا ہے چاند
ہر حسیں اک چاند لگتا ہے ' جو ہو عہدِ شباب
ڈھل گئی جب بھی جوانی ' ماند پڑ جاتا ہے چاند
دورِ نو میں حسنِ ذاتی ہے بہت ہی کم مگر
ہر بناوٹ کا حسیں بن ٹھن کے کہلاتا ہے چاند
کام ہے محمودؔ اپنا کاوشِ پیہم فقط
ہو کرم اُس کا تو قسمت کا چمک جاتا ہے چاند

اس دل میں فقط تیری تمنا ہے شب و روز

دھڑکن میں ترا نام ہی جپتا ہے شب و روز

بے چین ہیں دن اُس کے تو بے خواب ہیں راتیں

دولت کے لئے جو کوئی مرتا ہے شب و روز

کاٹے ہے مسلسل جسے حالات کا بچھو

جیتا ہے نہ مرتا ہے، تڑپتا ہے شب و روز

اربابِ سیاست کو نہیں دیس کی پروا

ہر اک کو وزارت کی تمنا ہے شب و روز

محمود یہ رکتا نہیں روکے سے کسی کے

یہ وقت کا دریا ہے جو بہتا ہے شب و روز

ترانے کم مگر ماتم بہت ہیں خوشی کم ہے جہاں میں غم بہت ہیں

ہر اک اخبار میں ہر صبح غم کی سیاہی سے بھرے کالم بہت ہیں

معالج ہوگئے ہیں جب سے تاجر مسیحا اس جہاں میں کم بہت ہیں

وفا کی نام کو خوشبو نہیں ہے بظاہر تو یہاں ہمدم بہت ہیں

قیامت سے بھی پہلے اک قیامت اُٹھانے کو یہ ایٹم بم بہت ہیں

خدا کا فضل ہے محمودؔ مجھ پر
مجھے کیا غم اگر جوکھم بہت ہیں

اگتے سورج کا وہ چہرہ تھا سہانا کتنا
دوپہر میں تھا وہی آگ بگولا کتنا

ڈوبتے وقت لہو رنگ تھا چہرا کتنا
ڈوب کر اُس نے بکھیرا ہے اندھیرا کتنا

کتنے پھل دار تھے سایہ تھا گھنیرا کتنا
پتھروں نے اُنہی پیڑوں کو ستایا کتنا

وقت کی ریت پہ قدموں کے نشاں ہیں اُس کے
غم کے صحرا میں وہ گھوما ہے اکیلا کتنا

کارگر کوئی جتن اس کا نہ ہونے پایا
موت کے آگے ہے لاچار مسیحا کتنا

اپنی نیا کبھی ساحل سے لگے گی کیسے
ناؤ میں ہم نے ہے طوفان اٹھایا کتنا

تم نے محمودؔ محل تو ہے بنایا اونچا
یہ بتاؤ کہ عمارت کا ہے پایا کتنا

جن کے سینوں میں ہیں جلتے عزم و ہمت کے چراغ
کاوشِ پیہم سے پالیتے ہیں منزل کا سراغ

جو بھی لیتے ہیں جہاں میں اپنی ناکامی سے کام
کامرانی کے اٹھا لیتے ہیں ہاتھوں میں ایاغ

شر پسندی ' دھوکہ بازی اور معصوموں کا خون
کس قدر ہیں بدنما ' تہذیب کے ماتھے پہ داغ

دو دلوں کا میل کیا ہے ' اک نظر کی بات ہے
مل گئیں آنکھوں سے آنکھیں ' جل اٹھے دل میں چراغ

ایک تجارت بن گیا ہے ' جب سے تعلیمی نظام
ڈگریاں ہاتھوں میں ہیں اور علم سے خالی دماغ

طائرانِ خوشنوا محمودؔ جانے کیا ہوئے
شہر کی گندی فضا میں چیختے پھرتے ہیں زاغ

کیا کہیں ، کیسے کہیں ، کیا ہے بجا کیا ہے غلط
اب جدھر دیکھو اُدھر آوے کا آوا ہے غلط

مت بنو سپنوں کے جالے اپنی آنکھوں میں میاں
جاگتی آنکھوں کا ہر سپنا سہانا ہے غلط

کیا کہیں ایسے مناظر آج کل ٹی وی پہ ہیں
دیکھنا جن کا غلط ، جن کو دکھانا ہے غلط

تم بدن کو ڈھانک لو ، پھر شوق سے باہر پھرو
اے حسینو یہ سڑک پر جگمگانا ہے غلط

ہے اگر جینا تمہیں فولاد بن جاؤ میاں
سنگ دل دنیا میں شیشہ بن کے رہنا ہے غلط

یہ زمانہ ہے نیا محمودؔ باتیں ہوں نئی
ہڈیاں چابی ہوئی ، پھر سے چبانا ہے غلط

خلوص و مہر و محبت سے ہے یہ انجانا
زمانہ حرص و ہوس کا ہوا ہے دیوانہ

ہر اک کو اپنی لگن، اپنی ذات سے مطلب
ہے بوڑھے باپ سے بیٹا بھی آج انجانا

ہیں اب جو ٹی وی پہ بڈروم کے مناظر بھی
رہنے نہ ذہن بھی بچوں کے آج بچکانا

وہ پائیلٹ ہے، کلکٹر ہے اور کمشنر بھی
کرے ہے آج کی عورت بھی کام مردانا

لٹیرے آج یہاں لیڈروں کی صف میں ہیں
سیاست اب ہے شرافت سے کتنی بیگانہ

جہانِ نو میں سیاست اِسی کو کہتے ہیں
اِدھر سے آگ بجھانا اُدھر سے سلگانا

جو بات سچ ہے اِسے صاف صاف کہہ محمودؔ
شکارِ مصلحتِ وقت ہو نہیں جانا

دل کا بچاؤ ٹھیک ہے خنجر کے وار سے
بچنا محال ہوتا ہے نظروں کی مار سے
پھولوں کی نرمیاں ہو کہ کانٹوں کی سختیاں
چلنا ہے زندگی میں اسی رہ گزار سے
سارے گلاب شرم سے سر کو جھکالیے
جب سامنا چمن میں ہوا گلعذار سے
سجدہ کیا بشر کو ملائک نے عرش پر
ہے خاک ' مرتبے میں بڑی نور و نار سے
بھولے سے بھی بشر کو فرشتہ نہ جانیے
انسان کو گراؤ نہ کوہِ وقار سے
سامان عیش جو بھی ہیں بے فیض ہیں سبھی
دل کو ہی جب سکون نہیں ہجرِ یار سے
بزم وفا میں عطر کا چھڑکاؤ کیوں کریں
خوشبو مہکتی رہتی ہے دامانِ یار سے
نازک مزاج ایسا ہے وہ پیکرِ جمال
محمودؔ چوٹ لگتی ہے پھولوں کی مار سے

خرد سے خام خیالی کے رابطے ٹوٹے
کھلی جو آنکھ تو خوابوں کے سلسلے ٹوٹے

ہوا کی زد سے تڑپتے ہیں خاک پر دیکھو
وہ برگ جن کے درختوں سے رابطے ٹوٹے

نہیں ہیں آج کی قومیں بھی بات کی پوری
سیاہی سوکھ نہ پائی معاہدے ٹوٹے

سفید ہوگیا انسان کا خون ہے ایسا
قرابتوں میں محبت کے سلسلے ٹوٹے

ذرا سا جھک گئے پودے گزر گئی آندھی
شجر وہ جن میں اکڑ تھی کھڑے کھڑے ٹوٹے

پہنچ نہ پائے وہ محمودؔ اپنی منزل پر
طلب کی راہ میں جن کے بھی حوصلے ٹوٹے

دو شعر

اخلاص و محبت کچھ بھی نہیں اب عشق و محبت کچھ بھی نہیں
ہر سمت ہے یاں دولت کی ہوس جذبات کی قیمت کچھ بھی نہیں

ہر حال میں رنگیں ہے یہ جہاں' ہر دور میں یہ دلکش ہی رہا
دیکھو تو بہت کچھ ہے یہ مگر سمجھو تو حقیقت کچھ بھی نہیں

ہوگیا نذرِ خزاں تیرا گلستاں غم نہ کھا
کاوشِ پیہم سے لا فصلِ بہاراں غم نہ کھا
جو بھی ہو، جو کچھ بھی ہو، امید کا دامن نہ چھوڑ
ہے یہی تو اک خوشی کا رازِ پنہاں غم نہ کھا
غم کی فطرت ہے کہ گھبراؤ تو بڑھ جاتا ہے غم
فتنہ ساماں گر اٹھائیں غم کے طوفاں غم نہ کھا
رکھ بھروسہ تو خودی پر اور خدا پر اعتماد
ہر ذرا سی بات پر ہو کر پریشاں غم نہ کر
خود ہی بن جائیں گی ساماں بے سر و سامانیاں
ہے جہاں میں تو اگر بے ساز و ساماں غم نہ کھا
سارے کانٹوں کو کچل دے اپنے پیروں کے تلے
زندگی محمودؔ ہوگی گل بداماں غم نہ کھا

جس کسی کو گل بدن جانِ تمنا چاہیے روئے لالہ کی طرح اسکا بھی چہرہ چاہیے

آشیانوں کو جلاتی ہیں فلک کو بجلیاں ۔ برق حسنِ یار کو دل کا نشانہ چاہیے

تیر نظروں کے چلا کر اُسنے چپکے سے کہا میرے بسمل کو تو پانی بھی نہ مانگا چاہیے

دو رخی چاہت نہ ہو تو کیا محبت کا مزہ آگ دونوں ہی طرف یکساں بھڑکنا چاہیے

غم کے طوفانوں میں اپنی ڈگمگاتی ناؤ ہے اب تری چشمِ کرم کا اِک اشارہ چاہیے

چپ کا تالا ہو لبوں پر دل میں طوفانِ الم
حالِ دل محمودؔ نظروں سے سنایا چاہیے

دو شعر

وہ جمالِ عارضِ گل رنگ کا دکھلاتے ہیں
لالہ و گل بھی انہیں دیکھ کے شرماتے ہیں
پھول چوٹی میں لگاکر جو وہ لہراتے ہیں
دل کی نس نس میں تمناؤں کو مہکاتے ہیں

دو شعر

تو میری محبت کا صلہ دے کہ سزا دے
اے جانِ جہاں تو ہی بتا کیا ہیں ارادے
جب تجھ سے ملی ایک نظر ہم نے دیا دل
اب یہ تری مرضی ہے وفا کرکے دغا دے

دو شعر

جھلس جاتے ہیں برگ و بار سارے
نہیں ہوتا کوئی گل گلستاں میں
سکڑ کر تیز ہوجاتے ہیں کانٹے
بہار آتی ہے کانٹوں پر خزاں میں

دو شعر

اُن کے ہاتھوں ہی سے الجھائے کانٹے اکثر
پھول جو راہ محبت میں بچھانے آئے
ہوش والے تو چلے رخ پہ ہواؤں کے مگر
رخ ہواؤں کا بدلنے کو دوانے آئے

دو شعر

یہ زمیں ' چاند ستارے نہ سمندر بدلے
گل کی خوشبو نہ تو کانٹوں ہی کے نشتر بدلے
رکھ دیا وقت نے انسان کو بدل کر کتنا
فکر کے ' غور کے ' کردار کے ' تیوز بدلے

جو خوشبوئے وفا معدوم سی معلوم ہوتی ہے
چمن کی ہر کلی اب کاغذی معلوم ہوتی ہے
ہوس دولت کی ایسی ہے نہیں جذبات کی پروا
ریالوں ' ڈالروں میں دلکشی معلوم ہوتی ہے
خودی جب بھی پہنچتی ہے' مقامِ خود پرستی تک
سراسر پھر خدا سے سرکشی معلوم ہوتی ہے
بھلا کیسے سمجھ پائیں ہمارے نوجواں اس کو
وہ اردو شاعری جو فارسی معلوم ہوتی ہے
جدھر دیکھو اُدھر محمودؔ جگ میں شر پسندی ہے
شرافت ہر طرف سہمی ہوئی معلوم ہوتی ہے

دو شعر

پرانی شاعری کو آج انساں
سمجھ پائیں گے آخر اب کہاں سے
خلائی دور میں محمِل کی باتیں
بُری لگتی ہیں شاعر کی زباں سے

ہوگیا ہے یہ عالم اِس جہاں میں جینے کا
پتھروں کی بارش ہے اور مکان شیشے کا

حوصلہ نہیں ہوتا' سر اُٹھاکے جینے کا
علم و فن نہیں آتا ہم کو جب قرینے کا

ساقیوں پہ پابندی' میکدوں کی در بندی
شغل ہے مگر جاری' میکشوں کے پینے کا

خوبیوں کے پردے میں ہیں خرابیاں اکثر
کھوٹ ہر طرح کی ہے' جھوٹ ہر طریقے کا

پیشہ ور لیٹرے بھی' کشتیوں کے ہیں مانجھی
کیا ہو اب خدا جانے ڈولتے سفینے کا

زندگی کو لازم ہے اس جہان میں محمود
ہر قدم سلیقے کا' ہر عمل قرینے کا

جسے موجِ بلا سے ڈٹ کر ٹکرانا نہیں آتا
تو اُس کشتی کو ساحل تک پہنچ جانا نہیں آتا

ہر اک کانٹے کو رستے کے کچل دیتا ہے پیروں سے
جنونِ شوق منزل کو ٹھٹک جانا نہیں آتا

کسی غم کو وہ چٹکی مین اُڑا دیتا ہے ہنس ہنس کر
جہادِ زندگی میں جس کو غم کھانا نہیں آتا

خود اپنے علم و فن پر ہی بھروسہ جس کو ہوتا ہے
اُسے بیساکھیوں پر چڑھ کے اترانا نہیں آتا

کوئی سونا کسی صورت کبھی کُندن نہیں ہوتا
جسے بھٹی میں تپ تپ کر نِکھر جانا نہیں آتا

مرے دل کے چمن میں رحمتِ حق کی بہاریں ہیں
مری اُمید کے پھولوں کو مُرجھانا نہیں آتا

یہاں محمود کچھ پانے کو کچھ کھونا بھی پڑتا ہے
جسے کھونا نہیں آتا اُسے پانا نہیں آتا

کتنے ہیں دور نو میں مسائل نئے نئے
ہیں زندگی میں کتنے مراحل نئے نئے

اب اپنی خواہشات کی جالیں ہیں اَن گِنت
جکڑے ہوئے ہیں طوق و سلاسل نئے نئے

مر مر کے جی رہے ہیں نشہ بازیوں میں لوگ
پی کر مُنشّیات ہلاہل نئے نئے

فرقوں کے رہبروں ہی نے کھینچے ہیں اَن گِنت
چھوٹے ' بڑے ' کئی خطِ فاصِل نئے نئے

محمودؔ اس جہان میں ہر سمت ہر طرف
مقتل سجائے جاتے ہیں قاتل نئے نئے

حسن والوں کے ہیں دنیا میں دوانے کتنے
ہوگئے عشق میں برباد نہ جانے کتنے

واقعہ ایک بھی ہوتا ہے جو دنیا میں کہیں
اُس کے بن جاتے ہیں دنیا میں فسانے کتنے

سب سے اچھا ہے بس اقبال ترانہ تیرا
یوں تو لکھے گئے بھارت کے ترانے کتنے

حُسن کا آج وہ معیار نہیں ہے باقی
ایسے ویسوں پہ ہیں قربان دوانے کتنے

اُن کی دز دیدہ نظر کا یہ تماشہ دیکھو
ایک ہی تیر سے ہوتے ہیں نشانے کتنے

جن کو رکھتا ہے خدا وہ تو جیا کرتے ہیں
موت ہے ڈھونڈتی آنے کے بہانے کتنے

اِن کو مشکل ہے حقیقت میں بدلنا محمودؔ
دن میں آتے ہیں نظر خواب سہانے کتنے

اب گرانی کی وہ انتہا ہوگئی زندگی آج خود ہی سزا ہوگئی

اُن کے سینوں سے خوفِ خدا اُٹھ گیا جن کی نظروں میں دولت خدا ہوگئی

دورِ نو کو بُرائی سے نفرت نہیں ناروا بات ہر اک روا ہوگئی

حُسن کا آج معیار کوئی نہیں ایسی ویسی بھی اب دلربا ہوگئی

اوڑھنی بیچ سینوں کے لٹکی ہوئی بنتِ حوّا بڑی بے حیا ہوگئی

لیڈرو ! یہ بتاؤ کھلے ذہن سے تم نے رشوت جو کھائی وہ کیا ہوگئی

کسر کیٹر ہی کو پھر دوش رشوت کا کیوں تم سے سو مرتبہ یہ خطا ہوگئی

جل گئیں دلہنیں حرص کی آگ میں جیسے سسرال اُن کی چتا ہوگئی

آج محمودؔ دنگے ہیں چاروں طرف
امن کا فاختہ اب ہوا ہوگئی

اے حُسن کے پیکر تُو دل آویز بہت ہے
ساغر مری اُلفت کا بھی لبریز بہت ہے

ہر شے میں نظر آتے ہیں اللہ کے جلوے
جس کی بھی بصیرت کی نظر تیز بہت ہے

میک اپ کا جو محتاج ہو وہ حُسن بھلا کیا
جو حسن ہے سادہ وہ ستم خیز بہت ہے

کچھ اور ٹھہر جاؤ مری جاں مرے گھر میں
بارش بھی زیادہ ہے ہوا تیز بہت ہے

اے جان جہاں طیش میں آنا نہیں اتنا
ایسے میں ترا حسن بلا خیز بہت ہے

ہر ملک میں جھگڑے ہیں، ہر اک دیس میں دنگے
اس دور کا انسان ہی خونریز بہت ہے

محمود زمانے نے ترقی تو بہت کی
لیکن یہ نیا دور شر انگیز بہت ہے

مزاجِ قوم میں جب سے ہے کاہلی آئی
تو مفلسی بھی دبے پاؤں ہے چلی آئی

نئی طرح کے جرائم کی تیری لے کر
جدید طرزِ تمدن کی روشنی آئی

وہ خود بھٹکتے ہیں خود غرضیوں کے جنگل میں
ہے جن کے ہاتھوں میں قوموں کی رہبری آئی

ہوس جہیز کی دیکھو جلا دیا اُس کو
وہ جن کے گھر میں تھی دُلہن نئی نئی آئی

جو حق کے واسطے مر مر کے مرمٹا کوئی
اُسی کے حصے میں محمودؔ زندگی آئی

دو شعر

اک اچھا لفظ بھی کھلتا ہے دل کو
سلیقے سے اگر برتا نہ جائے

پرندہ آکے دھرتی پر گرے گا
حدِ پرواز سے اُونچا نہ جائے

صبحِ کاذب کو بھی اب وقت سحر کہتے ہیں
ہر کسی عیب کو دنیا میں ہُنر کہتے ہیں

زندگی لگتی ہے صدیوں کی مسافت لیکن
کہنے والے اِسے دو دن کا سفر کہتے ہیں

جو لفافوں سے مضامین کو ہے بھانپا کرتی
آنکھ کہتے ہیں اُسے ، اُس کو نظر کہتے ہیں

کھاکے پتھر بھی جواباً جو ثمر دیتا ہے
ہم اُسی صبر کے پیکر کو شجر کہتے ہیں

ہم کو محمودؔ نہ باتوں کو چبانا آیا
بے دھڑک کہتے ہیں ، بے خوف و خطر کہتے ہیں

کیا بچے گا قافلہ ' اُمید ہی بیکار ہے
خُود ہی رہبر رہزنوں کا جب شریکِ کار ہے

بے بسی ' افلاس و نکبت دیس میں ہیں ہر طرف
دورِ آزادی میں یہ جمہور کی سرکار ہے

اب اُخوت ' بھائی چارہ اور مروت ہیں کہاں
آدمی اب آدمی کا درپئے آزاد ہے

خوش لباسی میں بدن کے ہیں نمایاں خط و خال
آج کے فیشن کی پُتلی یوں حیا بے زار ہے

رہبروں کے 'زاہدوں کے 'سادھوؤں کے بھیس میں
ہیں جو مجرم آج اُن کی ہو رہی جے کار ہے

کہہ گئے اہلِ سخن باتیں سب اُن کے دور کی
ذکر اپنے دور کا محمودؔ اب درکار ہے

دل جو حق آشنا نہیں ہوتا — آدمی پارسا نہیں ہوتا

عشق ہوتا ہے، کر نہیں سکتے — عشق سوچا ہوا نہیں ہوتا

ہو نہ دل کی لگی جو دو طرفہ — عشق دو آتشہ نہیں ہوتا

جن کو اپنا نہیں سمجھتے ہم — اُن سے کوئی گِلہ نہیں ہوتا

زندگی سے اگر نہ ہو رشتہ — پھر ادب کام کا نہیں ہوتا

کوئی محمودؔ نامور شاعر
جُز بہ فضلِ خدا نہیں ہوتا

دو شعر

اب یہ بیڑا ازورِ طوفان سے بچے کا کس طرح
کشتیوں کے ناخدا دست و گریباں ہوگئے
طبقہ واری، صوبہ داری اور زبان کے تفرقے
کتنے خانوں میں یہاں تقسیم انساں ہوگئے

تو حُسنِ مکمل ہے مجسم میں وفا ہوں
ہوں جان کے لالے بھی تو اُلفت کو نبا ہوں

کمتر سے بھی کمتر ہے وہ چھوٹے سے بھی چھوٹا
جو خود کو سمجھتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں

ہستی کو وہ خالق کی سمجھ پائے گا کیسے
خود کو جو سمجھتا نہیں میں کون ہوں کیا ہوں

مایوس نہ ہو، حکم ہے یہ میرے خدا کا
مایوس رہوں گا نہ میں مایوس رہا ہوں

میک آپ کے سہارے سے نئے دور کی لڑکی
اپنے کو سمجھتی ہے کہ میں ماہ لِقا ہوں

دریا میں لگا ڈوبنے، خالق کو پکارا
فرعون جو کہتا تھا کہ میں خود ہی خدا ہوں

ہو چشم کرم حق کی جو محمودؔ پہ ہر دم
بن جائیں مرے کام سبھی جیسے بھی چاہوں

مانا کہ فقط ہے فکرِ رسا، شاعر پہ کوئی الہام نہیں
"اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں"

دولت کی ہوس ہے جس دل میں، اُس دل میں سکون کا نام نہیں
ہر عیش کے ہیں سامان بہت، پر چین نہیں، آرام نہیں

بھونروں کی طرح ہیں مرد یہاں، تتلی کی طرح عورت ہے یہاں
جسموں کا فقط ہوتا ہے ملن، ذہنوں کو وفا سے کام نہیں

طوفاں کے مقابل ہو کہ چلا، ساحل کی طرف دیکھو ہے رواں
یہ جوشِ جنون ہے، جوشِ جنوں رُکنے کا کہیں بھی نام نہیں

کیوں قوم ذلیل و خوار نہ ہو، جینا بھی اُسے دُشوار نہ ہو
جب علم و ہنر سے کام نہیں، اور ہوش و خرد کا نام نہیں

ہر چیز کا ہے اک دام یہاں، جو چاہے خریدے کوئی یہاں
محمودؔ محبت ماں کی فقط، انمول ہے، اس کے دام نہیں

بزم ہستی میں کتنے ہی آئے گئے
چار دن کے لئے دل لگائے گئے

رنگ و بُو کے جہاں میں کھلے ہیں جو گل
دو گھڑی حسن اپنا دکھائے گئے

مشکلیں اس میں کتنی ہی آئیں ، گئیں
زندگی سے ہم ہیں نبھائے گئے

شمع کی لو پہ پروانے رقصاں ہوئے
آگ سے آگ دل کی بجھائے گئے

ٹوٹتے جائیں پھر بھی دھڑکتے رہیں
عاشقوں کے بھی کیا دل بنائے گئے

اُس جہاں میں اُنہیں کوئی خطرہ نہیں
نیکیاں جو یہاں پر کمائے گئے

وہ جو محمودؔ شاعر ہیں گزرے یہاں
فن کے جوہر جہاں کو دکھائے گئے

اک تیرا کرم سب کے مقدر کو جگادے
پتھر کو بھی تو چاہے تو آئینہ بنادے

دنیا کی سزاؤں سے تو بچ جائے گا کوئی
وہ کیسے بچے گا جسے اللہ سزا دے

جب تجھ سے ملی ایک نظر ہم نے دیا دل
اب یہ تری مرضی ہے وفا کرکے دغا دے

تو میری محبت کا صلہ دے کہ سزا دے
اتنا تو بتا جانِ جہاں کیا ہیں ارادے

دنیا کا رویّہ ہے ازل سے ہی کچھ ایسا
اتنی سی اگر بات ہو افسانہ بنادے

عریاں ہیں سرِ عام بھی اب حسن کے جلوے
مالک تو حسینوں کو ذرا پاسِ حیا دے

یک طرفہ محبت میں ہے محمودؔ مزہ کیا
ہو آگ اگر دونوں طرف دل کو مزہ دے

ہر کوئی زر کی جستجو میں ہے
ہر کوئی اُس کی آرزو میں ہے

توڑ دیتی ہے خون کے رشتے
وہ سفیدی جو اب لہو میں ہے

نام جس کا وفا شعاری ہے
اپنی رگ رگ میں ہے لہو میں ہے

پھر بھی تہمت یہ بے وفائی کی
بدگمانی تمہاری خُو میں ہے

بول اچھے نہ دُھن سریلی ہے
گائیگی اب تو ہاؤ ہُو میں ہے

ہے یقیں اُس کو دیکھ ہی لے گی
چشمِ محمود جستجو میں ہے

دو شعر

غم کے طوفان کو سینے میں دبا کر رکھنا
پھر بھی چہرے پہ بہاروں کو اجاگر رکھنا

تم کو جینا ہے جو دنیا میں معزز بن کر
اپنے کردار کے پیکر کو سجا کر رکھنا

اوج پر مقدّر ہیں ' شر پسند خاروں کے
دن گئے زمانے سے امن کی بہاروں کے

ہر طرف بچھو ا ہیں پیلے پیلے پتوں کے
کم بہت ہیں گلشن میں فرش سبزہ زاروں کے

زر کی بھینٹ چڑھتی ہیں لڑکیاں پڑھی لکھی
پلّے باندھی جاتی ہیں ' اہل زر گنواروں کے

چلتی پھرتی لاشیں تم بن گئے ہو کیوں آخر
پوچھتے ہیں زندوں سے اب مکیں مزاروں کے

آج کل کے برقعے ہیں ' یا غلاف تکیوں پر
زاویے عیاں ہیں سب جسم کی بہاروں کے

خاک پر کریں سجدے دل ہوں عرش پر جن کے
سر ' بلند ہوتے ہیں ' ایسے خاکساروں کے

کام واعظوں کا اب ' رہ گیا ہے یہ محمود
کفر سازیاں کرنا ' سائے میں مناروں کے

غم کے طوفان کو سینے میں دبا کر رکھنا
پھر بھی چہرے پہ بہاروں کو اُجاگر رکھنا

یورشِ غم کی نہ کرنا کبھی پروا ہرگز
اپنے احساس کو آلام کا خوگر رکھنا

کامرانوں کا یہ شیوہ ہے جہاں میں اکثر
روزِ اول ہی سے دشمن کو دبا کر رکھنا

سنگ مرمر سے عمارت کو سجانا لیکن
اُس کی بنیاد کو فولاد بنا کر رکھنا

تم کو رہنا ہے جو دنیا میں معزز بن کر
اپنے کردار کے پیکر کو سجا کر رکھنا

سینچ کر خونِ جگر سے انہیں اپنے محمودؔ
اپنی غزلوں کے درختوں کو قد آور رکھنا

یہ سیٹھوں کی دنیا امیروں کی دنیا
یہ دنیا نہیں بے نواؤں کی دنیا

غریبی کا عالم اندھیرا اندھیرا
درخشاں درخشاں امیروں کی دنیا

بساطِ سیاست پہ شاطر پُرانے
حکومت کی دنیا ، سیانوں کی دنیا

ہیں دن آرزو کے تمنا کی راتیں
جوانی کا عالم دوانوں کی دنیا

حقیقت کی دنیا میں کانٹے زیادہ
گلُوں سے بھری ہے فسانوں کی دنیا

ہے شیرینیوں میں حقائق کی تلخی
نہیں شاعری بس خیالوں کی دنیا

یہ کروٹ بدلتی ہے محمودؔ اکثر
ہمیشہ رہی انقلابوں کی دنیا

ہونٹوں پہ تبسم لئے ہم بول رہے ہیں
چہرے سے مگر رنج و الم بول رہے ہیں

سیٹھوں نے ہزاروں کا یہاں خون پیا ہے
پھولے ہوئے یہ اُن کے شکم بول رہے ہیں

تو بچ نہیں سکتا کبھی آہوں کے اثر سے
ظالم سے یہ خود اُس کے ستم بول رہے ہیں

ہونٹوں پہ فقیری کا جو دعوٰی ہے غلط ہے
سر تا بہ قدم جاہ و حشم بول رہے ہیں

ویسے تو گزر کر انہیں صدیاں ہوئیں لیکن
صدیوں سے مگر نقشِ قدم بول رہے ہیں

انساں کی شرارت ہی سے مٹ جائے گی دنیا
محمؔود یہ پھٹتے ہوئے بم بول رہے ہیں

جب جب بھی اُدھر دیکھا بجلی سی گرادی ہے
اُس شوخ نے اِس دل کو رہ رہ کے سزا دی ہے

ہر وقت ہی رہتا ہوں، مستِ مئے الفت میں
ساقی تری آنکھوں نے جب سے کہ پلا دی ہے

انسان کے کیا کہنے، خالق کا خلیفہ ہے
لیکن جو ذرا بھٹکے، خاطی ہے فسادی ہے

اب شرم، حیا، لجّا؛ الفاظ کتابی ہیں
دنیا نے حیا داری کی رسم اُٹھا دی ہے

فن کار کے فن پر ہے، اُس وقت شباب آیا
کاوش میں تبحّر کی جب عمر بِتادی ہے

دُلہن کو جلاتے ہیں، دولت کے جو لالچ میں
بربادی ہے بربادی، ہاں نام کو شادی ہے

ہے ساتھ مرے ہر دم بچپن سے بڑھاپے تک
محمودؔ لڑکپن میں ماں نے جو دعا دی ہے

مانا کہ دل کی بات زباں پر نہ آئے گی
لیکن نظر کسی کی کہاں تک چھپائے گی

پُرزے بھی دل کے ہوں تو محبت نہ جائے گی
فانوس کے ٹکڑوں میں شمع جگمگائے گی

اُس کا خیال ، اُس کا تصور ہے اُس کی دُھن
دنیا ہمارے دل کی اُجڑنے نہ پائے گی

نعرے جو انقلاب کے اُٹھیں گے ہر طرف
بوچھار گولیوں کی اُنہیں کیا دبائے گی

جوّا ہو ، میکشی ہو ، برائی کوئی بھی ہو
ڈنڈے کے زور سے کبھی مٹنے نہ پائے گی

محمودؔ ہر برائی سے روکے خدا کا خوف
قانون ہی سے کوئی برائی نہ جائے گی

شر کے سر پر جو تاج ہوتا ہے
بد سے بدتر سماج ہوتا ہے

کوئی سکہ کھرا نہیں چلتا
کھوٹے زر کا رواج ہوتا ہے

عشق کا چارہ گر نہیں ہوتا
یہ مرض لاعلاج ہوتا ہے

اُس کو گلشن کبھی نہیں کہنا
جس پہ زاغوں کا راج ہوتا ہے

وقت کا اعتبار کیا محمودؔ
وقت پارہ مزاج ہوتا ہے

دورِ حاضر نے دیئے عیش کے سامان کتنے
پھر بھی ہر سمت میں انسان پریشان کتنے

جو صدی بیسویں گزری ، تھی ستمگر کتنی
اس میں ایجاد ہوئے قتل کے ساماں کتنے

ساری دنیا کو نہ کیوں کوچۂ قاتل بولیں
قتل ہر روز یہاں ہوتے ہیں انساں کتنے

خاک میں مل گئے شاہانِ زمانہ سارے
اپنی طاقت پہ حکومت پہ تھے نازاں کتنے

دردِ دل دردِ جگر کا نہیں درماں کوئی
کرلئے سارے مسیحاؤں نے درماں کتنے

دینے والے کے بڑے ہاتھ ہیں لیکن محمودؔ
لینے والوں کے میاں تنگ ہیں داماں کتنے

جس کو چاہے تو اُسے حد سے سوا دیتا ہے
اک سپاہی کو شہنشاہ بنا دیتا ہے

ہر طبیب اپنے مریضوں کو دوا دیتا ہے
تُو جسے چاہے اُسی کو تُو شِفا دیتا ہے

جلوۂ حسنِ ازل جس کے بھی دل میں اُترے
دل کے آنگن کو وہ آئینہ بنا دیتا ہے

مرحلے عشق کے کتنے ہی کٹھن ہوں لیکن
شوقِ منزل اُنہیں طے کر کے دکھا دیتا ہے

جانِ جان حُسن پہ کرنا نہ کبھی ناز اتنا
دو دنوں کے لئے دولت یہ خدا دیتا ہے

آج کے دور مین ملتا ہے ہزاروں میں کوئی
جو وفاؤں سے وفاؤں کا صلہ دیتا ہے

زور پیسے کا یہاں کیا نہیں کرتا محمودؔ
ایسے ویسے کو الیکشن بھی جتا دیتا ہے

شوخی بھی شرارت بھی ہے، مستانہ ادا ہے
سر چڑھ کے جوانی کا نشہ بول رہا ہے

اس طور سے اخلاق کا سرمایہ لُٹا ہے
ہر کام بُرے سے بھی بُرا آج روا ہے

تعلیم کا اس دور میں یہ حال ہوا ہے
ہاتھوں میں تو اسناد ہیں ذہنوں میں خلا ہے

قانون کو دیکھو تو یہاں رینگ رہا ہے
رفتار ہر اک جرم کی طوفانِ بلا ہے

اب شرم کا لجّا کا خزانہ بھی لُٹا ہے
ہاں صرف کتابوں میں لکھا لفظ حیا ہے

گلُ بھی ہے کھلاتا کبھی شعلے بھی اُٹھاتا
محمودؔ سخن میرا یہ قدرت کی عطا ہے

کیا اُدھر دیکھتے ہو مُڑ کے اِدھر تو دیکھو
ہم کو اے جانِ جہاں ایک نظر تو دیکھو

آنے والی ہے وہ آئے گی اچانک لیکن
موت سے ڈرتے ہیں انسان یہ ڈر تو دیکھو

ایک ہی پَل میں اڑ لیتی ہے دل پہلو سے
اُن کی دُز دیدہ نگاہوں کا ہنر تو دیکھو

بیٹیاں ہوگئیں بے باک تو بیٹے گستاخ
گھر کے ٹی۔ وی کا یہ بچوں پہ اثر تو دیکھو

خوش لباسی میں دکھا دیتی ہیں عریاں سینے
اپنے جسموں کی نمائش کا ہُنر تو دیکھو

ساری دنیا کی سیاحت تو ہے کرلی تم نے
آکے سینے میں مرے دل کا نگر تو دیکھو

ہر طرف داد کا ہے شور مچا محفل میں
میری محمودؔ غزل کا یہ اثر تو دیکھو

کسی کو دل پہ کبھی اپنے اختیار نہیں
نہ جانے کس کا یہ ہوجائے اعتبار نہیں

بنامِ عشق، ہوس کا ہے اس جہاں میں چلن
زباں پہ لفظ محبت ہے دل میں پیار نہیں

دغا، فریب کی نفرت کی ندیاں ہیں رواں
خُلوص و مہر و محبت کے آبشار نہیں

ہے کیسی ڈھیٹ یہ آدم کی نسلِ نو دیکھو
خطائیں کرکے ہزاروں بھی شرمسار نہیں

فنونِ عصر میں جو قوم با کمال نہ ہو
نگاہِ وقت میں اُس کا کوئی وقار نہیں

بھروسہ کون کرے رہبروں کی بات پہ اب
کسی بھی قول کو اُن کے کوئی قرار نہیں

حقیقتوں کا ہے محمودؔ شاعری میں بیاں
خیال و خواب کی باتیں مرا شعار نہیں

جب روش پہ گلشن کی جُشن والے چلتے ہیں
دل جوان سینوں میں بلّیوں اُچھلتے ہیں

آگ میں سمندر☆ ہیں؛ کیا خدا کی قدرت ہے
آگ میں جنم لے کر آگ ہی میں. پلتے ہیں

راستے کے کانٹوں کی کیا اُنہیں کوئی پروا
عزم کے دھنی جو ہیں مسکراتے چلتے ہیں

موٹی توند والوں کو رحم کیا غریبوں پر
ان کے دل ہیں پتھر کے یہ کہاں پگھلتے ہیں

زیبِ تن لباس اُن کے ' ہے عیاں بدن پھر بھی
بے حجاب سڑکوں پر جو حسین نکلتے ہیں

اپنی قوم کے لیڈر ' ہیں بکاؤ کیا بولیں
مال و زر کے لالچ میں دل بہ ...ول بدلتے ہیں

ہم رہِ ترقی پر آگے بڑھتے جائیں گے
حاسدوں کو جلنے دو ' جلنے والے جلتے ہیں

وقت کے تقاضوں پر ہم زبان سے محمودؔ
پھول بھی ہیں برساتے آگے بھی اُگلتے ہیں

☆سمندر اُس کیڑے کو کہتے ہیں جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔

تمازت دھوپ کی سر پر، پڑے پیروں میں چھالے ہیں
جنون شوق کے مارے مگر کب رُکنے والے ہیں

نہ دُنیا کی خبر اُن کو نہ مافیہا کی کچھ پروا
تصوّر میں اگر کچھ ہے تو منزل کے اُجالے ہیں

بتائیں کیا ہمارے رہبروں کا حال ہے کیسا
لباس اُن کے بہت اُجلے، مگر یہ دل کے کالے ہیں

کروڑوں کو نہیں ملتی یہاں دو وقت کی روٹی
ڈِنر میں لنچ میں سب لیڈروں کے تر نوالے ہیں

بہت کم چلنے والے ہیں مذاہب کے اصولوں پر
فروعی مسئلوں پر ہی یہاں سب لڑنے والے ہیں

سخنور مر تو جاتے ہیں، سخن مرتا نہیں لیکن
دِلوں کو چھونے والے شعر زندہ رہنے والے ہیں

ہے بخشی دستِ قدرت نے ہمیں محمودؔ حق گوئی
جو دل محسوس کرتا ہے، وہی ہم کہنے والے ہیں

وہ جس کو خدا کا نہ کوئی خوف نہ ڈر ہے
شیطان سے بڑھ کر ہے وہ کہنے کو بشر ہے
ظاہر کی بناوٹ ہی کو دیکھے ہے یہ دنیا
مضمون نہیں صرف لفافے پہ نظر ہے
ایسے بھی ہیں ایوانوں میں، ہونی تھی جنہیں جیل
بھارت کی سیاست پہ جرائم کا اثر ہے
ڈالی جو فقط ایک نظر لُوٹ لیا دل
یہ حُسن کی دز دیدہ نگاہوں میں ہنر ہے
ہوتا ہے ہر اک سمت سے پتھراؤ اُسی پر
جو سب سے گھنا اور ثمر دار شجر ہے
گھبرا نہ مقدر کی کبھی تیرہ شبی سے
خوابیدہ ہر اک رات کے سینے میں سحر ہے

جو اپنی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
خود کیا ہے، سمجھ پائے تو محمودؔ بشر ہے

کیا بتائیں کیا ہیں اپنے رہبروں کے کاروبار
اِن کی ساری حرکتیں خود غرضیوں کے کاروبار

دفتروں میں چل رہے ہیں رِشوتوں کے کاروبار
ہر طرف اِسکام ' گھپلے لیڈروں کے کاروبار

ٹیکس چوری 'نفع خوری حد سے بڑھ کر ہو گئی
تول جھوٹا ' مال کھوٹا ' تاجروں کے کاروبار

دام دے کر جس کو چاہیں قتل کرواتے ہیں لوگ
ہر طرف چمکے ہوئے ہیں قاتلوں کے کاروبار

ہے زباں جن کی غلط ' جن کا تلفظ تک غلط
پھر بھی زوروں پر ہیں ایسے گاہکوں کے کاروبار

سو حسینوں کی نمائش ' اک حسینہ کا چناؤ
حُسن کی تذلیل ہیں عُریانیوں کے کاروبار

دیس کی جمہوریت کے منہ پہ کالک مل گئے
کرکے ایوانوں میں لیڈر کرسیوں کے کاروبار

کس طرح محمودؔ سدھرے پھر سے تعلیمی نظام
تاجروں کے ہاتھ میں ہیں کالجوں کے کاروبار

یہ تبسم ترا غنچہ سا کھِلا ہو جیسے
نکہتِ گل ترے آنچل کی ہوا ہو جیسے

اُف تری شوخ نگاہوں کا نشانہ توبہ
دل میں اک تیر سا پیوست ہوا ہو جیسے

حادثے ، قتل ، دھماکوں پہ دھماکے ہر سُو
جس طرف دیکھئیے مقتل ہی سجا ہو جیسے

روز افزوں یہ گرانی ہے رواں سوئے فلک
زندگی آج کی لگتی ہے سزا ہو جیسے

اہل حق یوں ہیں صلیبوں پہ چڑھائے جائے
دورِ حاضر میں سچائی بھی خطا ہو جیسے

کرسیوں پر جو ہیں پہنچے تو وہ فرعون بنے
ہر کوئی خود کو سمجھتا ہے خدا ہو جیسے

تیرے وعدے کا ہوا حشر ہمیشہ ایسا
نقش پانی پہ کوئی بن کے مٹا ہو جیسے

سلکِ اشعار میں لفظوں کے نگینے محمود
یوں دمکتے ہیں کہ ہیروں کی ضیا ہو جیسے

جب جب بھی تری یاد کی اک شمع جلی ہے
دل میں مرے انوار کی بارش سی ہوئی ہے

رفتار زمانے کی کہاں ایک رہی ہے
ہر دور میں بدلی ہے بدلتی ہی چلی ہے

اس دور کے انساں کی حالت یہ ہوئی ہے
کردار کے جس رُخ کو بھی دیکھو تو کجی ہے

ہرنوں کی سی آنکھیں ہیں' نہ غنچہ دہنی ہے
دلکش ہیں خدوخال نہ وہ سَرو قدی ہے

تشبیہ گل و لالہ سے دیتے تھے جسے ہم
وہ روپ نہ وہ رنگ نہ وہ گل بدنی ہے

ڈرتی ہے کسی سے نہ ہے محتاج کسی کی
تعلیم کے زیور سے جو لڑکی کہ سجی ہے

پھرتی ہے ہواؤں میں جہازوں کو اُڑا کر
اُڑتی ہے خلاؤں میں خلا باز بنی ہے

محمودؔ جو صدیوں سے تھی پچھڑی ہوئی عورت
مردوں کے برابر وہ کمر کس کے چلی ہے

تو اگر نظریں ملاکر اک نظر بھر دیکھتا　　میری آنکھوں میں محبت کا سمندر دیکھتا

آئینے میں شکل باطن کی نظر آتی نہیں　　ہر کوئی شیشے میں ہے ظاہر کا پیکر دیکھتا

ہر گھڑی رہتی ہے جسکی شانِ ماضی پر نظر　　وقت کے چکّر کو ہے اُلٹا گھما کر دیکھتا

خوبیاں پھر دوسروں کی اُسکی آتی ہیں نظر　　جو بھی پردہ ہے تعصب کا ہٹا کر دیکھتا

اک نظر محمود اُن کی مجھ پہ ہو جاتی اگر　　جگمگاتا اوج پر اپنا مقدر دیکھتا

دو شعر

دیکھا چمن میں رُخ جو کسی گُلعذار کا
شرما کے سُرخ ہو گیا چہرہ بہار کا
کہنے کو مختصر ہے مگر یہ لگے صدی
لمحہ بھی میرے یار ترے انتظار کا

جُنونِ عشق میں تا عمر کچھ کمی نہ رہے
بہارِ حُسن خزاں سے کبھی بچی نہ رہے

زباں سے اپنی تُو ظاہر کرے، کرے نہ کرے
ارے یہ مُشکِ محبت کبھی چھپی نہ رہے

کسی کے دل میں بھی قندیل غم جلائے اگر
تُو زندگی میں خود اپنی کبھی سُکھی نہ رہے

علوم عصر سے خالی اگر دماغ رہیں
رہِ حیات پہ چلنے کو روشنی نہ رہے

اک اور جنگ جو ایٹم کی طاقتوں میں چھڑے
زمیں پہ نام کی خاطر بھی زندگی نہ رہے

جدھر بھی دیکھیئے محمودؔ شور و شر ہے یہاں
ہمارے دور کے انسان آدمی نہ رہے

زندگی یہ کبھی چین پاتی نہیں
حرصِ دنیا اگر دل سے جاتی نہیں

کروٹیں رات بھر ہیں ادھر سے اُدھر
سیج پھولوں کی ہے نیند آتی نہیں

حُسنِ سادہ کے جلوے ہوا ہوگئے
کوئی میک اپ بنا منہ دکھاتی نہیں

دستِ گل چیں کا ہوتا اگر اس کو ڈر
پھول بن کر کلی مسکراتی نہیں

اُس کو گزرے ہوئے اک زمانہ ہوا
یاد اُس کی مگر دل سے جاتی نہیں

جس پہ رحمت خدا کی ہو سایہ فگن
وقت کی دھوپ اس کو ستاتی نہیں

ہو نہ محمودؔ جب تک کہ حق کی رضا
زندگی موت سے مات کھاتی نہیں

تم اپنے رُخ سے ہٹا کر نقاب رکھ دینا
نظر کے سامنے اک آفتاب رکھ دینا
تمہاری ریشمی زلفوں کی ہو مہک جس میں
ہماری میز پہ ایسا گلاب رکھ دینا
شرابِ ناب چھلکتی ہے اُن کی نظروں سے
اب اپنے ہاتھ سے جامِ شراب رکھ دینا
ہمارے دل کا اگر حال وہ کبھی پوچھے
تو اُس کے سامنے بُھونا کباب رکھ دینا
ہے کام اہلِ سیاست کا آج بس اتنا
قدم قدم پہ نیا اک سراب رکھ دینا
ہماری فکر ، ہمارا عمل نہیں اُس پر
بس اپنا کام ہے پڑھ کر کتاب رکھ دینا
تُو اے خدا کبھی محمود سے حساب نہ لے
کَرم کی جھیل میں سارا حساب رکھ دینا

یوں تو بساطِ فکر کا ہے تاجور دماغ
لیکن جُنونِ عشق پہ ہے بے اثر دماغ

دنیا میں شور و شر ہے ' ہر اک سمت ہر جگہ
فتنے اٹھائے جاتے ہیں کچھ فتنہ گر دماغ

اِس دور میں تعلیم کا ایسا ہے وتیرہ
ہیں ڈگریاں تو ہاتھ میں خالی مگر دماغ

دولت تو ہاتھ آئی مگر چھن گیا سکوں
سودا کیا ضمیر کا جو بیچ کر دماغ

منزل پہ پہنچ جاتے ہیں انسان کے قدم
رستے کے پیچ و خم سے جو ہو باخبر دماغ

محمودؔ اقتدار نشّہ وہ ہے کہ بس
دو گھونٹ پی لئے تو گیا عرش پر دماغ

تیرے چہرے کے آگے ہے قمر کیا
اُٹھے کی آسماں پر پھر نظر کیا

خلاؤں میں سفر کرتا ہے انساں
سفر کے واسطے اب بحر و بَر کیا

جو کچھ کہتا ہے تُو کرتا نہیں ہے
زباں میں تیری واعظ ہو اثر کیا

سلیولر فون پر اُلفت کی باتیں
کبوتر کیا کوئی اب نامہ بر کیا

نہ ہے دالان اس میں اور نہ آنگن
ارے اِس گھونسلے کا نام گھر کیا

نہ تولو اِس کو تم میزانِ زر میں
مقابل آبرو کے سیم و زر کیا

جو ہو اُس کا کرم محمودؔ مجھ پر
نشیمن کو مرے بجلی کا ڈر کیا

شوخ نظروں سے وہ جب رُخ کو اِدھر کرتے ہیں
دل میں چپکے سے اُتر آتے ہیں گھر کرتے ہیں

وہ جو ہوتے ہیں خفا اور بھی لگتے ہیں حسیں
منہ پھلا لیتے ہیں، چہرے کو اُدھر کرتے ہیں

خونِ دل، خونِ جگر، خونِ تمنا دے کر
ہم ترے عشق کے پودے کو شجر کرتے ہیں

وقت پڑنے پہ جو باطل سے ہیں ٹکرا جاتے
بال بحق ہوتے ہیں اور خود کو اَمر کرتے ہیں

ایٹمی دور میں ہتیار بنے ہیں ایسے
آنِ واحد میں جو شہروں کو کھنڈر کرتے ہیں

اُن کی مرضی جسے جو چاہیں بنا دیں اُس کو
وہ اگر چاہیں تو قطرے کو گُہر کرتے ہیں

جن کو محمودؔ بھروسہ ہو خدا پہ خود پر
ہر کسی حال میں ہنس ہنس کر گزر کرتے ہیں

جو دل ملے کسی دل سے تو دل مچلتا ہے
پھر اس کو لاکھ سنبھالو کہاں سنبھلتا ہے

بھڑک اُٹھے جو یہ دل ' آگ سی اُگلتا ہے
بھرے جو آہ تو ٹھنڈا دھنواں نکلتا ہے

نہ جانے کب نئی منزل پہ قافلہ پہنچے
جو راہبر ہے وہی لڑکھڑا کے چلتا ہے

وہ حُسن جو کبھی سمٹا ہوا سا رہتا تھا
خِرامِ ناز سے سینہ تنا کے چلتا ہے

وہ جس کو کہتے ہیں دنیا میں شاعرِ محمودؔ
سخن سے اپنے زمانے کا رُخ بدلتا ہے

فضائے دہر میں بارود کی یہ بُو کیا ہے
ہر ایک سمت یہ بہتا ہوا لہو کیا ہے
تری حیات ہے پانی پہ بُلبُلے جیسی
ترا وجود ہی کتنا ہے اور تُو کیا ہے
چمن کی آن گلوں کے حسین نظارے ہیں
نہ ہوں جو پھول تو گلشن کی آبرو کیا ہے
یہ تیری مست نگاہوں پہ میکدہ قرباں
صراحی چیز ہے کیا اور یہ سَبُو کیا ہے
وہ جس کی تُو نے برابر نہ آبیاری کی
پھر ایسے پیڑ سے میوے کی آرزو کیا ہے
تمہاری شکل سے بیزار آئینہ ہے میاں
پھر اُس پہ خوبرو بیوی کی آرزو کیا ہے
کلی سے پھول بنا باغباں نے توڑ لیا
پیامِ موت ہے غنچے تری نُمو کیا ہے
اِسے تو چاہیئے محمودؔ کاوشِ پیہم
یہ بیٹھے بیٹھے ترقی کی آرزو کیا ہے

کہاں خلوص و محبت کہاں وفا باقی
دغا ' فریب ' جفا کا ہے سلسلا باقی

وہ قوم منزلِ مقصد کو پاسکے کیسے
نہیں ہے جس کے جوانوں میں حوصلا باقی

وقارِ حُسن سلامت تھا پچھلی صدیوں تک
کہ جب حسین اداؤں میں تھی حیا باقی

گلی گلی جو حسینوں کے ہیں کھلے جلوے
نہیں ہے عشق کو چلمن سے اب گلا باقی

رہیں گے دیس میں اپنے جو خود غرض رہبر
فساد و شر کا رہے گا یہ سلسلا باقی

اصول آج کی دنیا کے بے اصولی ہے
نہیں جہاں کو اصولوں سے واسطا باقی

دیا جو بادِ مخالف سے لڑسکے محمودؔ
رہے گا ظلم کے طوفان میں وہ دیا باقی

اس دور کا انسان پریشان و حزیں ہے
فتنوں سے فسادوں سے کہیں چین نہیں ہے

تعلیم سے عاری ہے جفاکش جو نہیں ہے
وہ قوم زمانے میں جہاں تھی سو وہیں ہے

کہتے ہیں یہ ایٹم کے دھماکوں پہ دھماکے
جگ سارا تباہی کے دہانے کے قریں ہے

یہ حال ہے دنیا میں حسینوں کی انا کا
ہر کوئی سمجھتا ہے وہی زُہرہ جبیں ہے

یوں ظلم کے شعلوں نے جلا ڈالے بھرے گھر
تاحدِ نظر کوئی مکاں ہے نہ مکیں ہے

اے ماں تری گودی میں ہے آرامِ دل و جاں
قدموں کے تلے تیرے مری خُلد بریں ہے

کہنے کو تو محمود ہیں انسان کروڑوں
جو واقعی انسان ہو شاید ہی کہیں ہے

لب پہ تالا ' جام آنکھوں میں چھلکتے پیار کا
جانِ جاناں کیا حسیں انداز ہے اقرار کا

اِس قدر ہے انتہا پر آج میک اپ کا کمال
روپ خار و خس کو دیتا ہے گُل و گُلزار کا

پھول کی مانند وہ ڈالی سے جھڑ جاتا نہیں
دائمی ہوتا ہے رشتہ ' شاخِ گل سے خار کا

جس نظر سے اِسکو دیکھیں، جس طرح جانچیں اِسے
ہوگیا ہے طرز اُلٹا ' آج کے سنسار کا

اہل ہمت آگے بڑھ کر چھینتے ہیں اپنا حق
مانگنے سے حق نہیں ملتا ہے اب ' حقدار کا

صرف وعدوں پر ہی جیتے ہیں غریبانِ وطن
ان سے کب وعدہ کوئی پورا ہوا سرکار کا

اُن نگاہوں کا نشانہ کیا کہوں محمودؔ میں
عمر بھر تڑپے ہے بسمل اک نظر کی مار کا

کاتبِ تقدیر کا ہر دم نہ شکوہ کیجئے
اپنی تدبیروں کی کمزوری کو دیکھا کیجئے

ہر غمِ دنیا پہ رونا گڑگڑانا ہے غلط
مسکراکر غم کے طوفانوں سے بنٹا کیجئے

ہر کمالے را زوال است ہر زوالے را کمال
اپنی دولت اپنی شہرت پر نہ غرّا کیجئے

جو بھی ہونا تھا ہوا' ہونا ہے جو ہو جائے گا
گالیاں دنیا کو دیجئے یا تبّرا کیجئے

پھول ہیں یہ چھوئی موئی کے انہیں چھونا نہیں
دُور ہی سے حُسن کا اُن کے نظارا کیجئے

ایسے ویسے ہی ملیں گے آج دُنیا میں حسیں
گلبدن غنچہ دَہن کو اب نہ ڈھونڈا کیجئے

زر کی خاطر سے نہ دیجئے گا کسی ناحق کا ساتھ
اپنے ایماں کا میاں ہرگز نہ سودا کیجئے

جو بھی مانگو اُس سے مانگو' سب کا داتا ہے وہی
اہلِ دنیا سے نہ کچھ محمود مانگا کیجئے

کس جگہ اور کہاں نہیں ہوتا
پھر بھی تُو کیوں عیاں نہیں ہوتا

تُو اگر پاسباں نہیں ہوتا
زندگی کا نشاں نہیں ہوتا

عشق کی آگ، آگ ہے ایسی
جس میں شعلہ دھنواں نہیں ہوتا

اک جوانی پلٹ نہیں آتی
ورنہ کیا کچھ یہاں نہیں ہوتا

حالِ دل صاف صاف کہتا ہے
گو کہ چہرہ زبان نہیں ہوتا

عزم و ہمت کا جو نہ ہو پیکر
وہ کبھی کامراں نہیں ہوتا

فکر جس کی جواں نہیں ہوتی
شاعر خوش بیان نہیں ہوتا

ہو نہ پاتا میں شاعر محمودؔ
گر خدا مہرباں نہیں ہوتا

غم کی موجوں کے تلاطم سے جو ٹکراتے ہیں
وہ مسرت کے کنارے پہ پہنچ جاتے ہیں

کب زمانے کے تقاضوں کو سمجھ پاتے ہیں
اپنے ماضی پہ شب و روز جو اتراتے ہیں

وہ جمال عارضِ گلرنگ کا دِکھلاتے ہیں
لالہ و گُل بھی اُنہیں دیکھ کے شرماتے ہیں

کیا کہیں حُسن کا معیار گرا ہے کتنا
ایسے ویسے بھی حسینوں میں گنے جاتے ہیں

زندگانی تری رفتار ہے بجلی جیسی
تیرے سو سال بھی دو دن میں گزر جاتے ہیں

قلبِ محمود میں ہرگز نہ اندھیرا ہوگا
حق کی یادوں کی ستارے اِسے چمکاتے ہیں

یہ عارضی حیات ہے کچھ دائمی نہیں
اس زندگی پہ ناز ہمیں واجبی نہیں

جس کے خیال و فکر میں شائستگی نہیں
کہنے کو آدمی ہے مگر آدمی نہیں

اُس قوم کی حیات میں تابندگی نہیں
جس کو علومِ عصر سے وابستگی نہیں

پہلے ہم اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم ہیں کیا
خود آگہی نہیں تو خدا آگہی نہیں

مہر و وفا خلوص و محبت ہوئے ہوا
اب صدقِ دل سے پیار نہیں دوستی نہیں

دنیا میں مرد و زن کا تفاوُت نہیں رہا
کس شعبۂ حیات میں اب ہمسری نہیں

اے جانِ جاں خدا کے لئے ہاں تو بولئے
کتنوں کی جان لے گئی اک آپ کی نہیں

محمودؔ شعریت نہ ہو اشعار میں اگر
موزوں سہی کلام مگر شاعری نہیں

وہ نظروں کے چلاتے تیر و نشتر سامنے آئے
جو کی نیچی نظر ابرو کے خنجر سامنے آئے

کبھی پردے کے پیچھے سے ستم کے تیر برسائے
کبھی پردہ اُٹھاکر برق بن کر سامنے آئے

وہ دیکھو آئینہ اب کس طرح سے محوِ حیرت ہے
بدن گیلا لئے وہ ہیں نہاکر سامنے آئے

ٹکے بارش کے کچھ قطرے جو رُخ پر تو لگا ایسے
کہ شبنم لے کر چہرے پر گلِ تر سامنے آئے

بہارِ حسنِ سادہ ہے نہ اس کی قدر ہے باقی
وہی جچتا ہے نظروں میں جو بن کر سامنے آئے

حسینانِ جہاں کے اب لباسوں کا یہ مقصد ہے
بدن کا زاویہ ہر اک اُبھر کر سامنے آئے

نہیں محمودؔ ملتی دورِ نو میں اک حسینہ جو
حیا سے شرم سے جُھک کر سِمٹ کر سامنے آئے

جو شخص زندگی کے اثر سے نکل گیا
دنیا کے سارے زیر و زبر سے نکل گیا
شیطانیت ہے آج کے انساں میں آگئی
خالق کا ڈر جو قلبِ بشر سے نکل گیا
گردش سے وقت کی جو اُسے ٹھوکریں لگیں
سودا انا کا سر میں تھا سر سے نکل گیا
جو کام کوئی دشمنِ جانی نہ کر سکا
وہ کام تیرے تیرِ نظر سے نکل گیا
خود گلبدن ہے اُس پہ مہک عطر کی بھی ہے
مہکا دیا فضا کو جدھر سے نکل گیا
محمودؔ میرے شعر پہ حق کا کرم ہوا
کھُل کر مری زبانِ ہنر سے نکل گیا

ایک شعر

آتش عشق میں محمودؔ مزہ ہے کیسا
کوئی پوچھے کسی جلتے ہوئے پروانے سے

ہے اس میں دلکشی لیکن سدا کس کا ٹھکانا ہے
جہانِ رنگ و بُو میں چار دن رہنا ہے جانا ہے

جنونِ عشق کی فطرت ازل سے والہانا ہے
حسینوں کی نگاہوں کا ہمیشہ ٹھکانا ہے

دلوں کا اب نہیں سودا، حقیقی عشق ہے عنقا
ہے اُلفت میں اداکاری، ہوس کا یہ زمانا ہے

محل مہر و محبت کا بنانا ہے اگر ہم کو
جو نفرت کی ہیں دیواریں، اُنہیں پہلے گرانا ہے

سیاست کے جہاں کی، جُرم کی دنیا سے ہے یاری
اب اکثر لیڈروں کی زندگی خود مُجرمانا ہے

چمن میں تُم جو آئے ہو، بہاریں رنگ لائی ہیں
تمہارے حُسن کا بُلبل کے ہونٹوں پر ترانا ہے

فلک پر بجلیاں چمکیں نہیں محمؔود کو پروا
کہ اس کے دل پہ بجلی تو تمہارا مسکرانا ہے

فکرِ انساں میں جب اُگے کانٹے
زندگی سے اُلجھ گئے کانٹے

اب چمن میں ہے نت نئی اُلجھن
ہیں روش پر بچھے ہوئے کانٹے

گُل برستے ہیں اُن کے ہونٹوں سے
جن کے سینوں میں ہیں بھرے کانٹے

تلخ یادوں نے چھین لیں نیندیں
پھول بستر کے بن گئے کانٹے

گر تُو سچی خوشی کا طلب ہے
پھول دے کر سمیٹ لے کر کانٹے

گُل تو دولت نے چُن لئے محمودؔ
دستِ غُربت میں رہ گئے کانٹے

موضوعاتی
کلام

دورِ حاضر اور غزل

حُسنِ گُل اور عشقِ بُلبُل کے فسانوں کی غزل
صحنِ گلشن میں خراماں گُلعذاروں کی غزل

بام و در کے اور چلمن کے نظاروں کی غزل
حسرتِ ناکام کے غمگین خوابوں کی غزل

وہ الف لیلیٰ کے جیسی داستانوں کی غزل
ہو چکی ہے اب فقط خوابوں خیالوں کی غزل

اب در و بام اور چلمن کا زمانہ ہے کہاں
حُسنِ عُریاں خود سر بازار پھرتا ہے یہاں

برق کے تھے دورِ ماضی میں نشانے آشیاں
اب جلاتی ہیں گلستاں کو بموں کی بجلیاں

ایسے ویسوں کے بھی سر پر دیکھئے اب تاج ہے
دورِ جمہوری میں خود جمہوریت تاراج ہے

لے کے ڈگری نوجواں بے کار ہے بے کاج ہے
کاہلی کا ' بھوک کا ' افلاس کا اب راج ہے

بیویوں کی چال سے شوہر کئی بدحال ہیں
دُلہنوں کی قتل گاہیں بن گئی سسرال ہیں

لُوٹ ' غارت بم دھماکے ' قتل وخوں اور حادثے
ہر طرف سارے جہاں میں روز کے ہیں واقعے

مسئلے ہیں سینکڑوں اب شور و شر کا راج ہے
ہر طرح بگڑا ہوا آوے کا آوا آج ہے

ذکر کیا ہو اب چمن میں بلبلِ ناشاد کا
ہو بیاں انسانیت کے خانۂ برباد کا

مسئلوں کا خوش ادائی سے بیاں محمودؔ ہے
ورنہ ساری کاوشِ فکر و نظر بے سود ہے

ہمارا سفینہ

ناخدایانِ سفینہ ہیں جھگڑتے ہر دم کشتیوں کو بھی وہ آپس میں لڑا دیتے ہیں
یا خدا قوم کو میری تو بچا لے اِن سے یہ جو رہبر ہیں وہ نفرت کو ہوا دیتے ہیں
متحد قوم کو ہرگز نہیں ہونے دیتے آگ چپکے سے فسادوں کی لگا دیتے ہیں

جھگڑے کیوں؟

اخلاص کا یہ دیس ' محبت کا دیس ہے گاندھی کا یہ وطن ہے 'یہ اُلفت کا دیس ہے
آپس کی پھوٹ کس لئے بغض وعِناد کیوں دین و دھرم کے نام پہ فتنے فساد کیوں
فتنے یہ مسجدوں کے نہ یہ مندروں کے ہیں اپنی غرض کے واسطے یہ لیڈروں کے ہیں
ان لیڈروں کی چال سے دھوکہ نہ کھایئے خود غرضیوں سے اِن کی وطن کو بچایئے

آج کی سیاست

لٹیرے آج یہاں لیڈروں کی صف میں ہیں
سیاست اب ہے شرافت سے کتنی بیگانہ
جہانِ نو میں سیاست اِسی کو کہتے ہیں
اِدھر سے آگ بجھانا اُدھر سے سُلگانا

ایک شعر

فرقہ واری 'صوبہ واری ذہنیت جس میں نہ ہو
آج ہے ہندوستاں کو ایسے رہبر کی تلاش

اَن ایکتا میں ایکتا

گُل ہیں ہزار رنگ کے صحنِ چمن ہے ایک
ہے فرق رنگ و نسل کا لیکن وطن ہے ایک
بولی الگ الگ ہے مگر قومیت ہے ایک
مذہب جُدا جُدا سہی انسانیت ایک

نفرت کی دیوار

سارے بھارت میں مُنادی یہ پھرا دی جائے
بُغض و نفرت کی جو دیوار ہے ڈھا دی جائے
شر کا شعلہ نہ کبھی کوئی بھڑکنے پائے
بچ کے قانون سے کوئی نہ فسادی جائے

معاشی نراج

معدوم اپنے دیس میں رشوت کبھی نہ تھی
لیکن کبھی سماج پہ چھائی ہوئی نہ تھی

رشوت کی ریل پیل ہے کچھ اس طرح سے آج
رشوت نہ دو تو کام بنے گا نہ کوئی آج

رشوت یہاں جو ہوگئی حکام کا مزاج
حیران ہے یہ دیس ، پریشان ہے سماج

رشوت کے بل پہ ٹیکس کے ہیں بے شمار چور
پھر کس لئے نہ ہوگا یہاں کالے دھن کا زور

ہے کرسیوں کے سائے میں اسمگلروں کی لوٹ
رشوت کھلا کے پاتے ہیں اشرار یہاں چھوٹ

ہر سمت سارے دیس میں رشوت کا راج ہے
بے چینیوں کا دور معاشی نراج ہے

حرص وہوس کی آگ

عنقا ہیں اب خلوص و محبت کی شادیاں
ہوتی ہیں کاروبار و تجارت کی شادیاں
قیمت وصول کرتے ہیں بیٹوں کی آج کل
باپوں میں حرص آگئی سیٹھوں کی آج کل
دُلہن کی چال ڈھال نہ سیرت سے ہے غرض
دُلھے میاں کو مال سے دولت سے ہے غرض
منہ مانگا دھن بھی لے کے یہ کہتے ہیں پھر میاں
کچھ اور لے کے آؤ جو پیاری ہے اپنی جاں
شادی کی چوڑیاں ہوئیں پھر جان کا زیاں
حرص وہوس کی آگ میں دُلہن ہے پھر دھنواں

قطعہ

دھن کے جو بھکاری سے بیاہی نہ جائے گی
بیٹی کی زندگی میں تباہی نہ آئے گی
روئے گی اور نہ خون کے آنسو بہائے گی
مٹی کے تیل سے وہ جلائی نہ جائے گی

غزل سہ آتشہ

فکرِ انساں کے چمن میں گل کِھلاتی ہے غزل
زندگی کے ساز پر نغمے سناتی ہے غزل

عشقیہ ہو شاعری تو پھر فراق و ہجر کے
غم کی لَے پر درد کے نغمے سناتی ہے غزل

جب تَرنُّم بھی ہو عمدہ اور گلا بھی خوب ہو
گُنگُناتی ، گیت گاتی ، چہچہاتی ہے غزل

خوش ادا ہو ، گر تلفظ اور لہجہ دل نشیں
ایسے تحت اللفظ میں جادو جگاتی ہے غزل

کیوں نہ ہو محمودؔ پھر ایسی غزل سہ آتشہ
جب غزل خود ہی ترنّم میں سُناتی ہے غزل

سیاسی حمام

ہیرا پھیری دھوکے بازی اور کڑوڑوں کا غبن
نِت نئے اسکینڈلوں کا اب ہے بھارت میں چلن

مُجرموں کو اُونچی اُونچی کرُسیاں مِلنے لگیں
اب سیاست میں شرافت نام کو باقی نہیں

اَن گِنتَ بگلہ بھگت ہیں اب ہمارے دیس میں
قوم کو دیتے ہیں دھوکے رہبروں کے بھیس میں

ہیں یہ لیڈر ایک ہی حمّام میں ننگے کئی
چار دیواری بھی اِس حمّام کی اب گرگئی

انجام

کھِل کھلا کر ہنس دیئے غنچے تو بن جاتے ہیں پھول
خوشنوا بلبل کے نغموں میں سما جاتے ہیں پھول
ہر طرف منڈلاتے بھنورے، رقص کرتی تتلیاں
لہلہاتی ڈالیوں پر حُسنِ گُل باندھے سماں
توڑ کر سہمے ہوئے پھولوں کو لے جاتا ہے ساتھ
دستِ گل چیں نے جو توڑا گُل فروشی کے لئے
پھول کے بازار میں ہیں پھول ڈھیروں سے بکے
سوئیوں سے گل فروشوں کی وہ چھِد جاتے ہیں جب
ہار، بدّی، پھول کی چادر بھی بن جاتے ہیں تب
گُل رخوں کی چوٹیوں پر سج کے جب ہِلنے لگے
مثلِ ناگن عاشقوں کے دل کو ہیں ڈسنے لگے
کچھ تو سیجوں پر سجیں اور کچھ مزاروں پر چڑھیں
جس جگہ جس کا مقدر اُس جگہ جاتے ہیں پھول
شادیوں میں بن کے سہرے سر پر چڑھتے ہیں مگر
ہوں کہیں بھی آخرِش مٹی میں مل جاتے ہیں پھول

پُرانا پیسہ ۔ آج کا روپیہ

دو اٹھنی سے بھی وہ چیز نہیں آسکتی
لے کے آتا تھا جو بازار سے تنہا پیسہ
روپیہ آج اُسے دیکھ کے شرماتا ہے
جب بھی آتا ہے نظر اس کو پُرانا پیسہ

سجنی کہ ساجن

کیسے کرے گی کوئی نظر فرقِ مرد و زن
مردوں کا ہو لباس جو عورت کے زیبِ تن

ہر اک ادا میں اِس کی ہے، مردوں کا بانکپن
نسوانیت کی اِس میں نہیں اب کوئی پھبن

شیشے میں خود کو دیکھ کے ہوتی ہے جب مگن
شیشہ کرے سوال تو سجنی ہے یا سجن؟

گگن کا سوال

انسانیت کا ہوتا ہے برباد جب چمن
ابلیس دیکھتا ہے تو ہوتا ہے خندہ زن

تھرّا گئی زمین دھماکوں سے بم پھٹے
انساں کا خون ہوگیا دھرتی پہ موجزن

ٹکڑے کہیں پڑے کہیں لاشے پڑے ہیں یوں
ملتا کسی کا سر ہے کسی کا فقط بدن

سہمی ہوئی زمین تو خاموش ہے مگر
انسانیت کہاں گئی ؟ پوچھے ہے یہ گگن

آزادی کی جنگ

کمپنی کے بھیڑیوں کا دیس میں جب راج تھا
دیس اپنا ہر طرح برباد تھا تاراج تھا

لوٹ کر ہندوستاں کے کھیت اور کھلیان کو
ساری دولت وہ لئے جاتے تھے انگلستان کو

جب کبھی اور جس جگہ جنتا کی آوازیں اُٹھیں
گولیاں اُس پر چلیں اور خون کی ندیاں بہیں

ڈائر نے جلیان والا میں چلائیں گولیاں
نوجواں تو نوجواں بچے مرے اور بچیاں

چڑھ گئے اشفاق و بسمل مُسکرا کر دار پر
ہوگئے قربان اپنے دیس کے گلزار پر

پھر اہنسا بڑھ کے ہنسا کے مقابل ہوگیا
ہر مجاہد خود کو زنداں کے حوالے کردیا

جنگ آزادی

اپنی آزادی کے متوالوں سے جیلیں بھر گئیں
اور ہزاروں نوجوانوں کی ہیں جانیں بھی گئیں

قید مولانا ہوئے، حسرت بھی زنداں میں گئے
مثلِ گاندھی جیل میں وہ بھی کئی برسوں رہے

سختیاں نہرو نے جھیلیں رہ کے اپنے دیس میں
جنگِ آزادی لڑی سبھاش نے پردیش میں

چھوڑ دو ہندوستان یہ ہر طرف گونجی صدا
سُن کے انگریزی حکومت کا کلیجہ پھٹ گیا

دُم دبا کر بھاگنے میں خیر اپنی جان لی
بوریا بستر سمٹ کر اُس نے اپنی راہ لی

پھر ترنگا دیس میں ہر سمت لہرانے لگا
اپنی آزادی کا نغمہ ہر کوئی گانے لگا

آزادی کے اُجالے

جب ترنگا دیس میں ہر سمت لہرانے لگا
گیت خوشیوں کے سبھی ہندوستاں گانے لگا

کرُسیوں پر مقتدر نہرو تھے ولبھ بھائی تھے
ساتھ اُن کے ہم قدم آزاد تھے قدوائی تھے

جو بھی کرسی پر تھا فائز' قوم کا غم خوار تھا
بے غرض تھا' باوفا تھا پیکرِ ایثار تھا

رہبرانِ مقتدر نے اِس طرح کی رہبری
قوم خوش حالی کی منزل کی طرف بڑھنے لگے

ٹکنیکل تعلیم کی بنیاد نہرو نے رکھی
ہوتے ہوتے جو ترقی کی ضمانت بن گئی

صنعتی تعلیم کے کالج کھُلے' سنٹر کھُلے
صنعتوں کے واسطے عمدہ ہنر ور مل گئے

دورِ حاضر کے طریقوں سے جو کھیتی ہم نے کی
انقلابِ سبز کی دولت خدا نے ہم کو دی

چھوٹی چھوٹی، درمیانی، بھاری بھاری صنعتیں
اپنی آزادی کی ہم کو یہ ملی ہیں نعمتیں

ریلوے تو ریلوے اب ہم بناتے ہیں جہاز
اپنے میزائلوں پہ اور سٹلائٹ پر ہم کو ہے ناز

اپنی فوجیں سرحدوں پر ہر طرح تیار ہیں
پاس اُن کے اب نئے سے بھی نئے ہتیار ہیں

دشمنوں کی طاقتیں ہم کو ڈرا سکتی نہیں
سامراجی قوتیں آنکھیں دکھا سکتی نہیں

یا خدا ہندوستان کو اور بھی خوش حال کر
دولتِ امن و سکوں سے اس کو مالا مال کر

آزادی کے اندھیرے

ہند میں آدھی صدی سے حریت کا چاند ہے
کالے کرتوتوں سے اپنے اُس کا چہرہ ماند ہے

ایک ہوکر ہم نے برسوں جنگ آزادی لڑی
ہوگئے آزاد جب آپس میں اپنی ٹھن گئی

چل پڑا ہے دیس میں ایسا فسادوں کا چلن
خون کے آنسو بہاتی ہے مری ارضِ وطن

یوں تو ہوتے ہیں الیکشن اور عوامی راج ہے
جس طرف ڈالو نظر جمہوریت تاراج ہے

ہیں دیانت دار لیڈر بھی مگر کم ہیں جناب
خود غرض' بدکار' دولت کے پجاری بے حساب

فرقہ واری' طبقہ واری آگ پھیلاتے ہیں یہ
امن کے خرمن کو چپکے سے سلگواتے ہیں یہ

دیس میں چلنے لگی جب سے سیاست ووٹ کی
لیڈروں کو کچھ نہیں پروا کھرے اور کھوٹ کی

اب سزا پائے ہوئے مجرم بھی ایوانوں میں ہیں
کیا غضب ہے چور تک بھی آج رکھوالوں میں ہیں

ہر طرف اسکیام کا اسکینڈلوں کا دور ہے
ہر نئے اسکیام کا اپنا نیا طور ہے

کیا بتائیں دیس کے لیڈر یہ کیا کیا کر گئے
انتہا یہ ہے مویشی کا بھی چارہ چر گئے

دیس کے ایوان جو قانون کے گلزار ہیں
لیڈروں کے شور سے مچھلی کے اب بازار ہیں

یا خدا ہندوستاں پر ہو تری چشمِ کرم
گر ملے تیرا سہارا پھر سنبھل جائیں گے ہم

گوشۂ
طنز و مزاح

ان کا گر سامنا نہیں ہوتا — عشق کا حادثا نہیں ہوتا
دال میں ہے کدو مگر صاحب — بے مٹن دالچا نہیں ہوتا
کام کرتے نہیں کوئی لیڈر — جس میں گھپلا چھپا نہیں ہوتا
کوئی دکھتا نہیں حسیں چہرہ — جس پہ پوڈر لگا نہیں ہوتا
پرس کوئی نہیں حسینوں کا — جس میں اک آئینہ نہیں ہوتا
حسن کا ہے مقابلہ اس میں — کچھ نہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوتا
بال ان کی کمر کو چھوتے ہیں — سر پہ جب گھونسلا نہیں ہوتا
یہ ہے محمود بھوت فیشن کا — سر پہ چڑھ کر جدا نہیں ہوتا

ہڑتال

ہر مرض کی دوا بنی ہڑتال — نسخہ کیمیا بنی ہڑتال
ہوتی تھی صرف کارخانوں میں — اب تو سڑکوں پہ آگئی ہڑتال
آجروں کے بجا دیئے بارہ — جب بھی محنت کشوں نے کی ہڑتال
اب سیاست ہے آگئی اس میں — مارا ماری ہے بن گئی ہڑتال
اب تو سرکار کو گرانے کا — خوب حربہ ہے بن گئی ہڑتال
اُس کے محمود چھوٹ گئے چھکّے — جس کی بیگم نے گھر میں کی ہڑتال

واہ ری بیگم

پہلے عاشق ہوئی اور فِدا ہوگئی
کرکے شادی وہ شادی شُدہ ہوگئی
بھولی بھالی سی لگتی تھی پہلے مگر
شادی ہوتے ہی وہ کیا سے کیا ہوگئی
جب کبھی اُس سے بیگم ہوئی ہے خفا
زندگی پھر میاں کی سزا ہوگئی
منہ ہے پھُولا ہوا بات کرتی نہیں
ہاتھ پکڑا چھُڑا کر جدا ہوگئی
دال چٹنی بیگن کا بھرتہ بھی ہے
اُس کے دستر سے مرغی ہوا ہوگئی

اشاروں پرناچ

کہا یہ اُس نے کہ ہوں روپ کا سمندر میں
نہ پوچھو عمر کی، ہوں بیس کے بھی اندر میں
میں سیدھی سادی، بڑی بھولی بھالی ہوں لیکن
جو مجھ کو چھیڑو تو پھر ہوں بڑی ستمگر میں
ہوئی جو شادی شبِ وصل یہ کہا اُس نے
رکھوں گی تجھ کو اشاروں پہ اب نچاکر میں

شادی کے لئے

(لڑکے کی شرطیں)

گھر ہو رہنے کے لئے اور گھوڑا جوڑا چاہیے
پھر سواری کے لئے بُلٹ یا ہُنڈا چاہیے
میں ہوں کالا پر مجھے کالی نہیں بھاتی میاں
گوری بیوی چاہیئے اور قد بھی لانبا چاہیئے
میں تو چوتھی پاس ہوں' بیوی مگر بی۔اے ملے
تھوڑی تھوڑی وہ مجھے انگلش سکھایا چاہیئے

(لڑکی کا جواب)

میں تری شرطوں پہ پُوری تو اترتی ہوں مگر
شادی کر کے تجھ کو میرے گھر میں رہنا چاہیے
ماں کو باوا کو بہن کو اُن کے گھر میں چھوڑ دے
میرے گھر میں مجھ کو شوہر ہی اکیلا چاہیے
میرے نوکر گھر کا سارا کام کر دیں گے مگر
میرے کھانے کے لئے تجھ کو پکانا چاہیے
جو کہوں مرضی مری' جو کچھ کروں مرضی مری
تجھ کو ٹُک ٹُک دیکھنا' خاموش رہنا چاہیے
میری شرطیں گر تجھے منظور ہیں تو پھر مجھے
بینڈ باجا چاہئیے' قاضی کا خطبہ چاہئیے

رہبروں کے بھیس میں ہے رہزنوں کی دُھوم دھام
کیوں نہ ہو اسکام کے اسکینڈلوں کی دُھوم دھام

کام کوئی اب بِنا رِشوت نکلتا ہی نہیں
ہر طرف ہے کرُسیوں پر راشیوں کی دُھوم دھام

نشہّ بندی ہے یہ کیسی اب ہمارے شہر میں
جس طرف دیکھو اُدھر ہے میکشوں کی دھوم دھام

کھڑکیوں سے جھانکنے کی اب کوئی حاجت نہیں
ہے سرِ بازار ہر سُو گُل رُخوں کی دُھوم دھام

شادیوں کا ہے یہ موسم دیکھ لو محمودؔ اب
کس قدر ہے پارلر میں دلہنوں کی دھوم دھام

دو شعر

اپنا میک اَپ سے جوڑ کر رشتہ
سرِ بازار وہ نکلتے ہیں
کیا خطا ہے سڑک پہ لڑکوں کی
پیچھے پیچھے جو اُن کے چلتے ہیں

بیوٹی پارلر

پارلر سے سج دھج کر جو حسیں نکلتے ہیں
سینہ تانے پھرتے ہیں، دندناتے چلتے ہیں

جو بھی اُن کو اپنائیں، آ کے اُن کے دھوکے میں
وصل کی جو شب گزرے ہاتھ اپنے ملتے ہیں

پوچھتے ہیں آنگن کیا؟ صحن کس کو کہتے ہیں
آج کل کے بچے جو گھونسلوں میں پلتے ہیں

نفس کے پجاری ہیں دورِ نو میں کثرت سے
چاہے جب بھی ان کا جی بیویاں بدلتے ہیں

رومیو سڑک کے ہیں ان کو کچھ نہیں پروا
سینڈلوں کی بارش میں مسکراتے چلتے ہیں

کس طرح سدھر پائے حال دیس کا اپنے
کرسیوں پہ دیکھو تو سارے اُتے کھلتے

کیوں نہ ہو بڑی محمود توند ایسے گرگوں کی
رشوتیں ہی کھا کھا کر جن کے پیٹ پلتے ہیں

ایک شعر

میک اپ کے سہارے سے نئے دور کی لڑکی
اپنے کو سمجھتی ہے کہ میں ماہ لقا ہوں

غزل

ہے عورت دورِ نَو کی اس کو شرمانا نہیں آتا
حیا سے لاج سے اس کو سمٹ جانا نہیں آتا
یہ مردوں کو دیا کرتی ہے ٹکّر بھیڑ میں اکثر
اسے ہٹنا نہیں آتا، سکڑ جانا نہیں آتا
جوانی کی حدوں سے جب ذرا یہ پار ہوتی ہے
کمر بنتی ہے جب کمرہ تو بل کھانا نہیں آتا
جو ڈھونڈو تو نہیں ملتی یہاں بیوی کوئی جس کو
ذرا سی بات پر شوہر کا سر کھانا نہیں آتا
میں اک محمود شاعر ہوں، نہیں لیڈر سیاست کا
کسی بھی بات کو کہہ کر مکر جانا نہیں آتا

تازہ غزل

دس برس پہلے کہی میری غزل تازہ ہے
لاکھ لوگوں نے سُنی میری غزل تازہ ہے
اِس کو رکھتا ہوں میں سینے کے فرِج میں یارو
زندگی بھر میں کہوں گا یہ غزل تازہ ہے

غرورِ حُسن

اپنے گھونگھٹ کو اٹھا کر "دیکھ اِدھر" اُسنے کہا - پھر تجھے پھیکا لگے "حسن قمر" اُس نے کہا
اُس کا چہرہ دیکھ کر جب محوِ حیرت میں ہوا - "ہائے اللہ مت لگا مجھ کو نظر" اُس نے کہا
بول قاضی سے پڑھا کر اُس کو جب اپنا لیا - اب مزہ آئے گا دیکھو عمر بھر اُسنے کہا

پھُس پھُسے مضامین

بے دمے بدن ہیں اب قیمتی لباسوں میں - پھُس پھُسے مضامیں ہیں خوش نما لفافوں میں
شرم نام کی چڑیا اُڑ گئی ہے دنیا سے - خلوتوں کے منظر بھی دیکھ لو سبھاؤں میں

دو شعر

نظر ڈالے کوئی اس پر کسی میں دم نہیں اتنا - وہ ماہر ہے کراٹے تو بھائی بھی پہلواں ہے
غزل محمود کہنے سے غزل گانا ہی بہتر ہے - ہے شاعر جھونپڑے میں اور بنگلے میں غزل خواں ہے

دو شعر

جو جھوٹ نہ بولے وہ پلیڈر نہیں ہوتا - ٹرٹر نہ کرے جو کبھی لیڈر نہیں ہوتا
سیدھا تو کبھی کوئی بھی لیڈر نہیں ہوتا - چالو نہ ہو تو کوئی منسٹر نہیں ہوتا